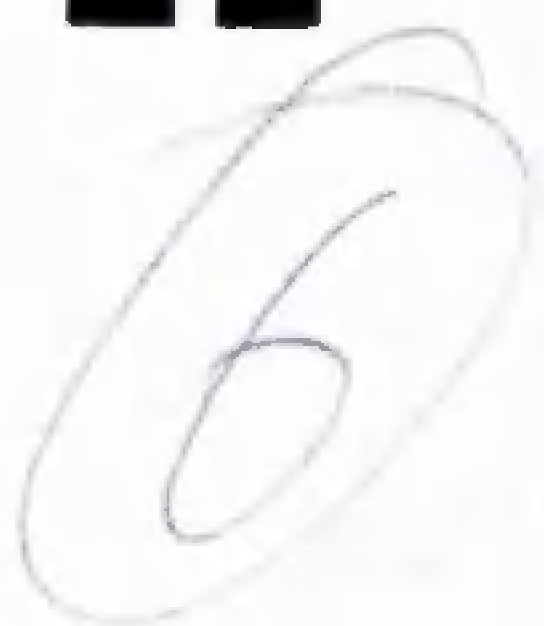
معرکۂ
فرعون و کلیمؑ



اخلاق حسین

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

طابع : ـــــ اخلاق حسین، ڈائرکٹر

ناشر : ـــــ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
۱۳-ای، شاہ عالم مارکٹ، لاہور

مطبع : ـــــ امید پرنٹرز۔ لاہور

اشاعت : ـــــ

پہلی نومبر ۱۹۷۲ء ۱۰۰۰

قیمت : ـــــ /۷ روپے

فہرست عنوانات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

قرآن کریم میں انبیائے سابقین کے قصص اور واقعات جس انداز میں بیان کیے گئے ہیں ان کا مطالعہ دعوت اسلامی کے علمبرداروں کے لیے نہ صرف انتہائی ضروری ہے بلکہ ان قصص کا گہرا مطالعہ کیے بغیر کارِ دعوت کو صحیح طور پر سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ قرآنی قصص کئی پہلوؤں سے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور قرآن کا طالب علم قرآن سے صحیح استفادہ اِسی صورت میں کر سکتا ہے کہ وہ ان تمام پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھ کر ان قصص کا مطالعہ کرے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن نے اُمَمِ سابقہ کے جو حالات بیان کیے ہیں وہ انسانی تاریخ کا ایسا مُستند ترین اور صحیح ترین مواد ہے کہ اِس سے زیادہ صحیح اور مُستند مواد کسی کتاب میں نہیں مل سکتا۔ گزشتہ محرف آسمانی کتابیں، دنیا کی مختلف تاریخی دستاویزیں اور تحقیق و اکتشاف کے تمام ذخائر انسان کی ابتدائی تاریخ اور اقوامِ ماضیہ کے عرُوج و زوال کے بارے میں جو کچھ معلومات فراہم کرتے ہیں ان کی حقیقت قیاسات اور تخمینات سے زیادہ نہیں ہے۔ مگر قرآن کریم کا انسان پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے گزشتہ انسانی تاریخ کے مختلف اہم مراحل اور حوادث کی سچی تصویر بیان کر دی ہے۔ لاکھوں برس پیشتر انسان کا آغاز کیسے ہُوا، وہ بڑی بڑی تہذیبیں اور قابلِ ذکر قومیں کون سی تھیں جو خطۂ زمین پر مختلف اَدوار میں جلوہ گر ہوئیں، ان کے متعلق بے شمار معلومات آپ قرآن کریم کے قصص کے اندر اس یقین و اعتماد کے ساتھ پا سکتے ہیں کہ یہ بیان کسی صدیوں برس بعد پیدا ہونے والے مؤرخ کا نہیں ہے بلکہ یہ اُس ذات کا بیان ہے جس نے خود انسان اور انسان کی تاریخ کو جامۂ تخلیق پہنایا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تک اِس تحریک کی ایمان افروز اور عبرت زا داستان، قرآنی قصص کے اندر پڑھیے۔ اسلامی تحریک کے علمبردار اور دعوت و تبلیغ اور رُشد و ہدایت کا کام سرانجام دینے والے، قرآنی قصّوں کے مطالعہ سے نہ صرف ابدی کاروانِ حق کی نوائے دل گداز سے تازہ دم ہوں گے بلکہ وہ یہ بھی جان لیں گے کہ مختلف اَدوار میں کاروانِ اسلام کس قسم کی آزمائشوں، مخالفتوں اور صعوبتوں کے طوفانوں سے گزرا، مختلف حالات و مراحل میں تحریک نے اقامتِ دین کے لیے کیا کیا اسلوب و انداز اختیار کیے، کامیابی کن اسباب کے تحت ہوئی اور ناکامی کا کیا موجب بنا الغرض داعیٔ حق اِن قصّوں کے اندر اپنی ہی داستان پڑھے گا، اپنے ہی کام کے خطوط سے آگاہ ہوگا اور اپنے ہی نصب العین کو آشنائے کامرانی کرنے کے لیے جہد و جہاد کے لازمی پیمانوں کا مطالعہ کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں یہ قصّے یکبارگی نازل نہیں کیے گئے بلکہ تحریک کے جس مرحلے میں جس طرح کی تربیت اور تمثیل کی ضرورت پیش آتی تھی انبیائے سابقین کے واقعات میں سے متعلقہ اور برمحل اجزاء نازل ہو جاتے۔

قصّۂ موسیٰؑ و فرعون دوسرے قصّوں کی بہ نسبت زیادہ تفصیل سے قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ دعوت اور اقتدار کی کش مکش اِس قصّے میں جس تفصیل اور تنوّع کے ساتھ ملتی ہے وہ کسی دوسرے قصّے میں نہیں ملتی۔ حقیقت یہ ہے کہ باطل کا صحیح نفسیاتی تجزیہ اور اس کا ہمہ پہلو مکر و دجل اور اس کے مقابلے میں حق کی جرأت و تدبیر اور اس کی خود اعتمادی اور بصیرت جس وضاحت اور دلچسپی کے ساتھ اس قصّے میں ملتی ہے دوسرے انبیائے سابقین کے قصّوں میں کم ہی ملتی ہے۔ حق اور حریت کی جنگ لڑنے والا اس داستان میں وہ سب کچھ پا سکتا ہے جو اُسے اپنی جنگی حکمتِ عملی وضع کرنے کے لیے ضروری ہے۔

اُردو زبان میں قصص انبیاءؑ کے عنوان سے مختلف حضرات نے قصّوں کو مدوّن کیا ہے مگر اُن میں واقعاتی پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ تحریکی پہلو جو اِن قصّوں کا اصل حاصل ہے نہیں اختیار کیا گیا۔ عربی زبان میں اِس موضوع پر جو کچھ لٹریچر آیا ہے وہ بھی تاریخی

رنگ سے لبریز ہے اور تحریکی رنگ سے بیشتر حد تک خالی۔ اُردو میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی نے تفہیم القرآن میں اِن قصّوں کی اصل قیمت و حکمت کو اُجاگر کیا ہے اور عربی زبان میں سیّد قطب شہید نے اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" میں اسی زاویے سے قرآنی قصّوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اور انھیں پڑھتے وقت یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ اپنے ہی عہد اور اپنے ہی ماحول کا ماجرا سُنایا جا رہا ہے۔ بہرحال 'تفہیم القرآن' ہو یا 'فی ظلال القرآن' دونوں بے شک احوالِ انبیاءؑ کو "حدیثِ دیگراں" نہیں "سرِّ دلبراں" کی حیثیت سے بیان کرتی ہیں۔ مگر چونکہ یہ تمام بیانات مختلف اوراق میں بکھرے پڑے ہیں اس لیے اِس امر کی ضرورت ہے کہ انھیں یکجا مرتب کیا جائے۔

ہمارے دیرینہ دوست اخلاق حسین صاحب نے اِس مفید کام کا آغاز کر دیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اِسی کام کی ایک کڑی ہے۔ اصل کتاب اب قارئین کے سامنے ہے اِس لیے وہ موصوف کی محنت و کاوش اور جذبہ و ذوق اور نظر و اسلوب کا اِس سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کتاب خالصۃً تحریکی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش سے لے کر بنی اسرائیل کی رہائی تک تمام واقعات کو صرف قرآن کریم کے بیانات پر استوار کیا گیا ہے۔ یہ تمام بیانات قرآن مجید میں جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ پوری داستان کا مطالعہ کرنے کے لیے تیس پاروں سے گزرنا ہوگا۔ مگر فاضل مصنّف نے بڑی کاوش کے ساتھ ان تمام متفرق کڑیوں کو یکجا جمع کر دیا ہے اور انھیں صحیح تاریخی ترتیب کے ساتھ اِس طرح باہم پیوستہ کر دیا ہے کہ یہ کتاب نہ صرف حسنِ تالیف، خوبیٔ ربط اور روانیٔ کلام کا عمدہ نمونہ بن گئی ہے بلکہ قاری دورانِ مطالعہ بے ساختہ یہ محسوس کرتا ہے کہ حق و باطل کی وہ تاریخی جنگ جو معرکۂ موسیٰؑ و فرعون کے عنوان سے مشہور ہے خود اُس کی آنکھوں کے سامنے برپا ہے۔

مؤلف نے اِس داستان کے ہر ہر گوشے اور ہر ہر واقعے پر جس ڈھنگ سے تبصرہ کیا ہے اور اس سے جس مہارت کے ساتھ استنتاج کیا ہے اس کی وجہ سے یہ کتاب بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور مصر کے فرعون کے درمیان ہزاروں

برس پیشتر رُونما ہونے والے معرکہ کی تصویر ہی نہیں رہی بلکہ حق و باطل کی آویزش کا ایسا آئینہ بن گئی ہے جس میں ہر دَور کی موسوی تحریک اور ہر عہد کے فرعونی اقتدار کے چہرے دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہی اِس کتاب کی اصل خوبی ہے۔ خود قرآن مجید کا بھی اصل مدّعا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے رنگ میں حق کے نمائندے اور فرعون کے لباس میں طاغوتی طاقتوں کے نمائندوں کے خدّوخال واضح کیے جائیں۔ چونکہ مصنّف کو مضمون پر جامع نظر حاصل ہے اس لیے ان کی تحریر میں بھی روانی اور دل کشی پیدا ہو گئی ہے۔

موصوف کے اِس ذوقِ لطیف اور نگاہِ عمیق میں ان کی ذاتی محنت کے علاوہ اُن کی گھریلو تربیت اور کاروباری ماحول کو بھی بڑا دخل حاصل ہے جس میں ابتدا ہی سے قرآن سے وابستگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ کام نہ صرف ان کی تحریکی زندگی سے ہم آہنگ ہے بلکہ ان کے مزاج و ذوق سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔ راقم کو اُمید ہے کہ موصوف "فرعون و کلیمؑ" کی داستان کے بعد آدمؑ و ابلیس، خلیلؑ و نمرود اور مسیحؑ و بنی اسرائیل کی داستانیں اور اُن تمام اُولوالعزم پیغمبروں کی رُودادیں مرتّب کریں گے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اِن داستانوں اور رُودادوں کا داعیٔ حق کے ہاتھ میں ہر وقت رہنا نہایت ضروری ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

خلیل احمد حامدی

اچھرہ - لاہور

۹ر جولائی ۱۹۷۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

مطالعۂ قرآن مجید کے دوران ایسے کئی مقامات آتے ہیں جن کی حقیقی معنویت اور مقصدیت ایک قاری اُس وقت تک سمجھ نہیں سکتا جب تک کہ وہ اُن حالات سے دوچار نہ ہو جن میں وہ آیات نازل ہوئی تھیں یا اُس پر وہ واردات وکیفیات طاری نہ ہوں جن کی وہ آیات متقاضی ہوتی ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۶۳ء میں جب لاہور میں جماعت اسلامی کا کل پاکستان اجتماع منعقد ہوا تھا تو ایوبی حکومت نے نہایت ہیبت ناک اور دہشت انگیز ماحول پیدا کر دیا تھا۔ اُس وقت اجتماع گاہ میں جب مَیں نے نمازِ مغرب میں سورۂ بقرہ کا آخری رکوع تلاوت کیا تو نمازیوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں اشکبار نہ ہوئی ہوں۔ اور کتنے ہی ایسے حضرات تھے جن کی بے اختیار سسکیاں اور چیخیں صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ اُس وقت دل پر جو کیفیت طاری تھی اُس کی یاد آج بھی رہ رہ کر آتی ہے۔

اِسی طرح قرآن مجید میں حضرت موسٰی علیہ السّلام کے واقعات ہزاروں ہی مرتبہ تلاوت کیے اور اُن پر غور و فکر بھی کیا لیکن اُن واقعات کی اہمیت و مقصدیت اُس وقت صحیح طور پر منکشف ہوئی جب ملک میں ۱۹۵۸ء میں ایوبی مارشل لا کے دیو استبداد نے پاکوبی شروع کر دی۔ اُس گھٹی گھٹی، جبر و تشدّد کی فضا میں حضرت موسٰی علیہ السّلام کے ماحول کا پُورا پُوری طرح اِدراک ہوا اور داستانِ موسٰی علیہ السّلام کی وہ کڑیاں جو متفرق آیات میں بیان کی گئی تھیں جُڑتی چلی گئیں۔ چنانچہ اُس زمانے میں بے شمار مقامات پر رُفقاء کو وہ آیات سُنائیں اور قرآنی بشارتوں سے شکستہ و افسردہ دلوں کو گرمایا

اور اُن کی ہمّتیں بندھائیں۔ اُن ہی دنوں احباب کے مشوروں اور تقاضوں کی تعمیل میں ہفت روزہ " ایشیا " لاہور میں ایک سلسلۂ مضامین " فرعون و کلیمؑ کی داستانِ کش مکش " کے عنوان سے لکھنا شروع کیا۔ چنانچہ یہ سلسلہ مسلسل سات قسطوں تک جاری رہا۔

میرے مضامین کی اشاعت پر محترم مولانا معین الدین صاحب، امیر جماعت اسلامی، بنّوں اور محترم مفتی محمد یوسف صاحب (سابق صدر مدرس، دارُالعلوم، اکوڑہ خٹک، پشاور) نے خاص طور پر میری ہمّت افزائی کی اور مشورہ دیا کہ میں اِس سلسلے کو جاری رکھوں، لیکن اِن بزرگوں کے مشفقانہ مشوروں کے باوجود میں اپنی کاروباری اور جماعتی مصروفیات کی بنا پر اسے جاری نہ رکھ سکا۔

اس کے بعد ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۲ء پاکستان میں جو واقعات رُونما ہوئے، انھوں نے اسلام کے خدمت گزاروں پر نہایت ہی ہمّت شکن اور مایوس کُن اثر ڈالا۔ مشرقی پاکستان میں محبّانِ اسلام پر عموماً اور غیر بنگالی مسلمانوں پر خصوصاً بدترین قسم کا ظلم و تشدّد ٹوٹا اور مغربی پاکستان میں بھی جبر و تشدّد کی مہم جاری ہوگئی۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کا حادثۂ فاجعہ رُونما ہوا۔ اِن سب باتوں نے پیروانِ اسلام کو مایوسیوں کے مہیب غار میں دھکیل دیا۔ بے شمار اچھے خاصے سمجھدار حضرات حوصلہ ہار بیٹھے اور یاس و قنوطیّت کا شکار ہوگئے۔ یہ مطالعۂ قرآن کا اعجاز ہے کہ الحمدللہ، اس پورے پُرآشوب دَور میں مایوسی کبھی میرے پاس تک نہ پھٹکی۔ رُفقاء اور احباب کی یہ حالت دیکھ کر مجھے شدید احساس ہوا کہ اس وقت قرآنی دعوت سے استعانت ہی صحیح دستگیری کر سکتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اِس حوصلہ شکن اور یاس انگیز ماحول کو توڑنے کے لیے میں نے طے کیا کہ قرآن مجید میں بیان کردہ کلیمؑ و فرعون کی داستانِ کش مکش، احباب کے سامنے پیش کروں، فتح و نصرت کے خدائی وعدے اور بشارتیں سُناؤں، مظلوم و بےبس اہلِ حق کی رُودادِ ابتلاء بیان کروں اور اِس کش مکش میں اہلِ حق کو جو شاندار کامیابی و کامرانی حاصل ہوئی ہے اُس کی تصویر پیش

کروں، شاید کچھ شکستہ و فسردہ دل اس سے اک نیا ولولہ، اک تازہ جوش اور اک عزم نَو پائیں اور اِس کٹھن راہ کو استقامت و پامردی کے ساتھ طے کرنے کی ٹھان لیں۔

اِبتداء میں خیال تھا کہ یہ مضمون ۷۰۔۸۰ صفحات کے ایک کتابچہ سے زائد نہ ہوگا۔ ہر عنوان پر ایک دو آیات پیش کر دوں گا لیکن جب لکھنے بیٹھا تو ہر آیت سے صدا آئی کہ

کرشمہ دل می کشد کہ جا اینجاست

چنانچہ مَیں نے فیصلہ کیا کہ ہر واقعہ پر قرآن مجید میں جتنی بھی آیات ہیں، حتی الامکان اُن سب کو یکجا جمع کر دوں، نتیجۃً ایک ضخیم کتاب تیار ہو گئی۔ اب یہ اہلِ نظر کا کام ہے کہ یہ فیصلہ کریں کہ یہ محنت و کاوش کس حد تک کامیاب ہوئی ہے۔

آیات کا ترجمہ زیادہ تر تفہیم القرآن سے نقل کیا گیا ہے۔ مَیں ممنون ہوں کہ مُرشدِ محترم جناب سیّد ابُوالاعلیٰ مودودی صاحب نے کمال شفقت و عنایت سے اس کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ مَیں محترم ملک غلام علی صاحب (معاونِ خصوصی مولانا سیّد ابُوالاعلیٰ مودودی صاحب) اور جناب حافظ خلیل احمد حامدی صاحب (ناظم دارالعروبہ) کا صد درجہ ممنون ہوں کہ اِس کارِ عظیم میں انھوں نے نہ صرف اپنے قیمتی مشوروں سے بلکہ ہر طرح کے علمی و عملی تعاون سے بھی نوازا۔ جزاءھم اللہ خیر الجزاء۔

اِس کتاب کے مُطالعہ سے اگر کسی ایک رفیق کو بھی راہِ حق میں استقامت حاصل ہو گئی یا دینِ حق کا پرچم بُلند کرنے کا نیا ولولہ مِل گیا تو مَیں سمجھوں گا کہ میری کوشش کامیاب ہو گئی اور میری مغفرت کا سامان ہو گیا۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ
اِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ (ھود: ۸۸)

لاہور — اخلاق حسین

۲۵ رجب ۱۳۹۲ھ
مطابق ۴ ستمبر ۱۹۷۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن کریم میں
قصّۂ موسیٰؑ کی غرض و غایت

قرآن کریم میں فرعون و کلیمؑ کی آویزش بار بار مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے۔ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کے حالات اتنی تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیے گئے جتنے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں جن میں سے چند ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے آخری شریعت کے حامل

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے قبل موسیٰ علیہ السّلام ہی وہ آخری نبی تھے جو شریعتِ خداوندی لے کر آئے تھے۔ آپؑ سے پہلے تورات ہی وہ آخری ضابطہ حیات تھا جو خداوندِ عالم کی جانب سے اقوامِ عالم کو عطا کیا گیا تھا اور اُممِ سابقہ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس ضابطۂ شریعت پر عمل کریں۔

حضورؐ کے حالات سے مماثلت

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حالات کو موسیٰ علیہ السّلام کے حالات سے جتنی زیادہ مماثلت ہے، اتنی کسی دوسرے نبی سے نہیں۔ ابتداء میں دعوت و غربت کی اجنبیت، حالات کی ناسازگاری، مخالفت کی یکسانیت، مخالفین و معاندین کے یکساں ہتھکنڈے، اغراض کے بندوں (Vested Interests) کی

مزاحمت، غضبناک برسرِ اقتدار گروہ کا تشدد، ہٹ دھرم، کٹ حجت اور ضدی مخالفین کا سامنا، طاقتور اور متکبر اربابِ اقتدار سے کش مکش، ہجرت اور پھر کامیابی، یہ سب مرحلے اتنے ملتے جلتے تھے کہ فرعون وکلیمؑ کی کش مکش کے واقعات سنتے ہی مکے کے حالات آنکھوں میں پھرنے لگتے تھے اور ہر شخص بہ آسانی سمجھ لیتا تھا کہ حدیث دیگراں میں اُن ہی کی آپ بیتی بیان ہو رہی ہے۔

قریب ترین زمانہ

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے موسٰی علیہ السلام کا زمانہ اتنا قریبی تھا کہ اُس زمانے کی روایات وحکایات ذہنوں میں تازہ تھیں اور اِن واقعات کی شاہد قوم ہر جگہ چلتی پھرتی نظر آتی تھی۔

تاریخ کے دو مثالی کردار

(۴) فرعون وموسٰیؑ کو صرف دو افراد ہی کی حیثیت سے نہ دیکھا گیا، بلکہ یہ تاریخ کے دو مثالی نمونے (Symbols) تھے جو پردۂ عالم پر بار بار اُبھرتے اور گہرے نقش چھوڑتے گئے ہیں۔

ایک طرف فرعون ظلم، تشدد، استبداد، ہٹ دھرمی، کٹ حجتی اور نشۂ قوت میں بدمست اقتدار کا مکمل مظہر تھا تو دوسری طرف موسٰی علیہ السلام پیغمبرانہ بصیرت، عزیمت اور فراست، ضعفاء کے نجات دہندے، حق کے علمبردار، نامساعد حالات اور ذرائع ووسائل سے محروم ہونے کے باوجود، حق کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے ایک کامل نمونے کے طور پر سامنے آئے۔ چنانچہ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی باطل حق سے ٹکرایا، ظالم حکمرانوں اور مظلوم محکوموں میں کش مکش ہوئی، بپھرے ہوئے اقتدار اور نہتے، ضعیف، مجبور عوام میں تصادم ہوا، لوگوں نے یہی سمجھا کہ تاریخ فرعون وکلیمؑ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے۔ موسٰی علیہ السلام کی جرأت وعزیمت، بصیرت وفراست، صبر واستقامت، اہل حق کے لیے مشعلِ ہدایت بن کر سامنے آئی اور فرعون کا ذلت آمیز انجام ہمیشہ ان کے اس یقین کی فراوانی وپختگی کا سبب

ہی بنا کہ حق کو بہر حال غالب ہونا ہے اور باطل کو مغلوب۔ یہ حقیقت اتنی ظاہر و باہر تھی کہ زبانِ خلق پر یہ ضرب المثل عام ہو گئی کہ "ہر فرعونے راموسیٰ"

اہلِ ایمان کے لیے ایک تازہ ولولہ

(۵) مکّے کے اہلِ ایمان کے سامنے جب بھی یہ داستانِ کش مکش پیش کی گئی، اُن میں ایک نیا ایمان، ایک تازہ ولولہ اور ایک نیا جوش پیدا ہوا، اور قریش کا سارا ظلم و جور، تشدّد و استبداد، اُن میں ایک لمحے کے لیے بھی حالات سے مایوسی پیدا نہ کر سکا۔ ظلم جتنا بڑھتا گیا، اُن کا یہ یقین بھی بڑھتا گیا کہ اِس ظلم کو ایک نہ ایک دن غرق ہونا ہے۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ بدر میں، احزاب میں، مکّے میں اور حنین میں غرق ہو کر رہا۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو سورۂ البقرہ، یونس، الاعراف، ھود، طٰہٰ، الشعراء، القصص، النمل، المومن، الذاریات وغیرہ میں بار بار دُہرایا تاکہ اہلِ ایمان حالات کی ناسازگاری سے بددل ہو کر کبھی ہمّت نہ ہاریں۔

آج جبکہ خدائی زمین میں ظلم و استبداد دندنا رہا ہے، جور و تعدّی کا دَور دَورہ ہے، اہلِ حق کو مصائب کی گہری ظلمتوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اُن کے سامنے بار بار فرعون و موسیٰؑ کی کش مکش دُہرائی جاتی رہے تاکہ اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے اور وہ حالات سے مایوس ہو کر سپر نہ ڈال دیں۔

مومنین کے لیے بشارت

خود قرآن مجید نے قصّۂ فرعون و موسیٰؑ بیان کرنے کی جو غرض و غایت اور اہمیت بتائی ہے وہ اُس کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا
عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ

يُؤْمِنُوْنَ ۝ (القصص: ۱ تا ۳)

"ط-س-م- یہ کتابِ مُبین کی آیات ہیں۔ ہم موسیٰؑ اور فرعون کا کچھ حال ٹھیک ٹھیک تمھیں سُناتے ہیں ایسے لوگوں کے فائدے کے لیے جو ایمان لائیں۔"

یعنی یہ واقعات جو بتائے جا رہے ہیں، یہ کسی شوقِ داستان گوئی کو پُورا کرنے کے لیے نہیں بتائے جا رہے ہیں کہ لوگ سُنیں اور سر دُھنیں اور نہ اس سے یہ مقصود ہے کہ تاریخ کے کچھ باب بیان کر دیے جائیں کہ لوگوں کے علمِ تاریخ میں اضافہ ہو۔ بلکہ اِن واقعات کی اہمیت یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کا ایک حصّہ ہیں۔ اور ان کو اللہ کی نشانیوں کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے اور اِن کی غرض و غایت یہ ہے کہ اِن کے سُننے سے "مومنین" کو فائدہ پہنچے۔

یہاں لفظ "مومنین" خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ اِن واقعات سے ان لوگوں کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا ہے جو اللہ اور کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ نہ تو عزم و ہمّت کا سبق سیکھ سکتے ہیں اور نہ عبرت ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اِس سے رُوحانی، اخلاقی فائدہ جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ صرف اُن لوگوں کو، جو اِس کتاب پر اور اِس کتاب کو بھیجنے والی ذات پر ایمان رکھتے ہیں۔

اِس کا دُوسرا پہلو سمجھنے کے لیے ہمیں اس پس منظر کو دیکھنا چاہیے جس میں یہ آیات نازل کی گئی تھیں اور اُس ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے جس میں اہلِ ایمان اُس وقت گھرے ہوئے تھے۔

اُس وقت مکّے میں علمبردارانِ حق اور بندگانِ باطل کے درمیان ایک سخت کش مکش برپا تھی۔ بظاہر حالات اہلِ ایمان کے سخت خلاف نظر آتے تھے۔ کفار تعداد کے لحاظ سے اکثریت میں تھے، مال و دولت کے لحاظ سے خوش حال تھے، مادّی قوت و شوکت کے لحاظ سے مومنین کسی شمار ہی میں نہ تھے۔ مسلمان ہر جگہ

مارے اور کھدیڑے جا رہے تھے، ان کا اعلانِ ایمان ہی ان کو ہر قسم کی اذیت و عقوبت کا سزاوار بنا دیتا تھا۔ وہ ہر جگہ مظلوم و مقہور اور مجبور و مغلوب تھے، اور یہ دشمنانِ اسلام اِن تمام مظالم کے باوجود دندناتے پھر رہے تھے۔ بظاہر نظر آرہا تھا کہ یہ نئی اُبھرتی ہوئی تحریک کچھ دنوں کی مہمان ہے اور چند دنوں میں فریقِ مخالف کی تاب نہ لاکر دم توڑ دے گی۔ اہلِ ایمان کے کامیاب، غالب ہونے کا تو سوال ہی نہیں، وہ اگر باقی بھی رہ جائے تو یہ ایک معجزہ تھا۔ تمام ظاہر بین یہ سمجھ رہے تھے کہ کوئی دن جاتا ہے کہ اِن مسلمانوں کا کام تمام ہوا جاتا ہے۔ خود مسلمانوں کی نظر میں دنیا اندھیر تھی، کوئی جائے پناہ نظر نہ آرہی تھی۔ چاروں طرف مایوسیوں اور ناکامیوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ کہیں ان کے لیے انگاروں کے بستر سجائے جاتے تو کہیں گلوں میں پھندے ڈال کر گھسیٹا جاتا، کہیں جلتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا تو کہیں پتھر کی سلوں کے نیچے دبا دیا جاتا۔ ان کی مظلومیت پر کوئی آنکھ رونے والی نہ تھی، ان کے لیے کوئی سینہ سرد آہیں بھرنے والا نہ تھا۔ ہر گلی کوچے میں خندہ ہائے استہزاء، طعنوں تشنوں اور گالیوں سے نوازا جاتا۔

"سو بلائیں ایک جانِ ناتواں کے واسطے"

اِن مایوس کن حالات میں باری تعالیٰ کی طرف سے یہ مژدۂ جانفزا ملتا ہے کہ یہ سب ظالم مخالفین، فرعون کے انجام سے دوچار ہوں گے اور یہ پہلے دبے ہوئے ایمان والے موسیٰؑ کی طرح کامیاب و کامران اُبھریں گے۔ اس بشارتِ عظمیٰ سے وہی لوگ اطمینان و سکون حاصل کر سکتے تھے جنھیں دولتِ ایمانی فراوانی سے ملی تھی۔ وہ بدنصیب جو اِس دولتِ یقین سے بے بہرہ تھے کہاں سے بشارت پا سکتے تھے؟ وہ تو یہی سمجھ سکتے تھے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ جس کے پاس تاج و تخت ہے اس کا ہی اقتدار دوامی ہے اور جو بے زور و بے اقتدار ہے اس کی ذلت و مغلوبیت بھی دوامی ہے۔ انھوں نے بارہا فرعونیت کو غرق ہوتے دیکھا تھا لیکن ہر فرعون کو وہ یہی سمجھتے رہے کہ اقتدارِ دوام کا ٹھیکیدار ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت مصر کے حالات

جن حالات میں موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش باسعادت ہوئی وہ قرآن کے مطابق یہ تھے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

(القصص: ۴)

"واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔"

سورۂ القصص کی مذکورہ بالا آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت کو ان کی پیدائش سے بیان فرمایا ہے کہ کن رُوح فرسا حالات میں وہ پیدا ہوئے، پھر کس طرح دشمنوں ہی کے ہاتھوں پروان چڑھے اور بالآخر کس طرح فرعونی عشمت و سطوت کا تخت اُلٹ پھینکا۔

جزوی نسل کشی

اُس وقت مصر میں جو فرعون برسرِ اقتدار تھا، وہ قبطی النسل تھا۔ اپنے آپ کو لوگوں کا مختارِ کل اور مالک الملک سمجھتا تھا۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" اس کی سرکاری پالیسی تھی۔ نسلی منافرت کو نقطۂ عروج پر پہنچا کر بنی اسرائیل کے ساتھ

وہی سلوک رَوا رکھتا تھا جس کا ایک ہلکا پرَتو اُس سلوک میں دیکھا جا سکتا ہے جو جنوبی افریقہ کی سفید فام حکومت رنگدار لوگوں کے ساتھ، یا برہمنی سامراج اچھوتوں اور مسلمانوں کے ساتھ رَوا رکھے ہوئے ہے۔ ممکن ہے انھوں نے یہ تکنیک فرعونی باقیاتُ الصیّات سے ہی حاصل کی ہو۔ طبقۂ حکام قبطی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور بنی اسرائیل غلامی، مزدوری اور بیگار وغیرہ کے لیے مخصوص کر دیے گئے تھے۔ بنی اسرائیل کو معاشی اور معاشرتی طور پر کچل دینے کے بعد بھی فرعون کو چین نہ آیا۔ اِن غلاموں اور غلام زادوں کی کثرتِ نسل اُس کی راتوں کی نیند اُڑائے دیتی تھی۔ دل ہی دل میں ہول کھاتا تھا کہ اگر افزائشِ نسل کی یہی حالت رہی تو چند برسوں ہی میں یہ اپنی کثرتِ تعداد کے بل پر ملک میں غالب آجائیں گے۔ چنانچہ اس اندیشے سے چھٹکارا پانے کے لیے اُس نے جزوی نسل کشی کی راہ اختیار کی۔ شاید اُس زمانے میں عقلِ انسانی اتنی عیّار و چالاک نہ تھی جتنی عصرِ حاضر میں، ورنہ شاید وہ اس کو بھی معاشی منصوبہ بندی، فارغ البال کنبہ، خاندانی منصوبہ بندی، غلّے کی موہوم قلت کے حَسین غلافوں میں پیش کر کے اس غیر مطلوب مخلوق سے چھٹکارا پا سکتا تھا۔ یا شاید وہ اتنا ڈپلومیٹ نہ تھا کہ اِس 'گردن زدنی' قوم کو برضا و رغبت، اجتماعی خودکشی پر آمادہ کر لیتا۔ یا شاید وہ اپنے نشۂ اقتدار میں اتنا بدمست تھا اور اپنے اقتدار کو اتنا محفوظ سمجھتا تھا کہ اُس نے اِس 'زہر' کو قند کہنے کے تکلف کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور صاف صاف کہا کہ لڑکوں کو قتل کر دو اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دو۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ نہ مرد ہوں گے نہ نسل بڑھے گی۔

اِس سے بڑھ کر یہ کہ ایک پنتھ دو کاج۔ عشرت کدوں کی آبادی کے لیے کنیزیں' خدمت کے لیے لونڈیاں مہیا ہوتی رہیں گی اور اگلی نسل جو اُٹھے گی وہ قبطی آبادی میں ہی اضافہ کا موجب ہوگی۔ اب یہ تو پتا نہیں چلتا کہ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے باقاعدہ "صنفی پلاننگ کلینک" کھولے گئے تھے یا نہیں، البتہ بائیبل وغیرہ سے

اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کی دائیوں کے ذمّہ یہ خدمت ضرور سپرد کی گئی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کے ہر نومولود لڑکے کو موت کی نیند سلادیں۔ قریے قریے، گلی گلی جاسوس سونگھتے پھرتے تھے کہ کہیں کوئی اسرائیلی لڑکا زندگی کے لیے ہاتھ پاؤں تو نہیں مار رہا ہے۔ یہ جزوی نسل بندی وہ ابتلاءِ عظیم تھی جس سے نجات کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر احسانِ عظیم سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ۝ (البقرہ: ۴۹)

"یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے تم کو فرعونیوں کی غلامی سے نجات بخشی۔ انھوں نے تمھیں سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا، تمھارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمھاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس حالت میں تمھارے رب کی طرف سے تمھاری بڑی آزمائش تھی۔"

فرعون کی یہ دار و گیر اتنی سخت تھی کہ اُس سے نجات کو خود موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا انعام قرار دیا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ اَنْجٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ۝ (ابراہیم: ۶)

"یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا "اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اُس نے تم پر کیا ہے۔ اُس نے تم کو فرعون والوں سے چھڑا دیا، جو تم کو سخت تکلیفیں دیتے تھے، تمھارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمھاری عورتوں کو زندہ بچا رکھتے تھے، اس میں تمھارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یوں کہلواتا ہے:

وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ

(الاعراف: ۱۴۱)

"اور (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرعون والوں سے تمھیں نجات دی، جن کا حال یہ تھا کہ تمھیں سخت عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، تمھارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔"

اب اِن آیات کی روشنی میں اُس آزمائش کا تصور کیجیے جس سے بنی اسرائیل مصر میں دوچار تھے۔

اوّل یہ کہ سر پر ایک مفسد و سرکش حکمران مسلط تھا، جس کا فلسفہ حکمرانی ظلم و جَور اور قتل و تشدد پر مبنی تھا۔

دوّم یہ کہ وہ ایک ایسی خونخوار و ظالم قوم کے اندر گھرے ہوئے تھے، جس کا بچہ بچہ اُن کے خون کا پیاسا تھا۔

سوّم یہ کہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی طور پر اُن کو پُوری طرح کچل دیا گیا تھا اور اس بات کا پُورا پُورا اہتمام کیا گیا تھا کہ آئندہ یہ کبھی سر نہ اُٹھانے پائیں۔

چہارم یہ کہ جُزوی نسل کُشی یا خاندانی منصوبہ بندی اُن پر بجبر مُسلط کر دی گئی تھی کہ آئندہ یہ کبھی اکثریت نہ اختیار کر سکیں اور لڑنے والے افراد سے کلیۃً محروم ہو جائیں۔

اپنی دانست میں فرعون اور اُس کے اربابِ اختیار نے اپنے دوامی اقتدار کے لیے ہر طرح کے اطمینان بخش انتظامات کر لیے تھے، لیکن مشیّتِ الٰہی ان نادانوں کی ریت کی دیواروں کو دیکھ کر مُسکرا رہی تھی کہ ایک ہی جھٹکے میں یہ سب

محلات نیچے آ رہیں گے۔

ظلم کا استیصال — اللہ کی سنّت

واقعہ یہ ہے کہ جب بھی ظلم حد سے گزر جاتا ہے اور لوگ تبدیلی حالات سے مایوس ہو جاتے ہیں، جب برسرِ اقتدار طبقہ اپنے آپ کو مقامِ خداوندی پر متمکن سمجھنے لگتا ہے، جب ایک طبقہ اپنے اقتدار کی بنیادیں مضبوط کر کے اپنی دانست میں غیر متزلزل سمجھنے لگتا ہے اور اپنی من مانی کرنے میں تمام حدود و قیود کو توڑ دیتا ہے، تو رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے اور اپنے بیکس و مجبور بندوں کی اعانت کے لیے آگے بڑھتی ہے اور ایک بار انھیں پھر دکھا دیتی ہے کہ ایک ذات ایسی ہے جو اُس سے آس لگانے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتی۔ اُس کے یہاں دیر ہے، اور اِس دیر میں بھی حکمت ہوتی ہے، لیکن اندھیر نہیں۔

چنانچہ جب مصر میں بنی اسرائیل پر دنیا تنگ کر دی گئی، اُن سے جینے کا حق بھی سلب کیا جانے لگا، اُن کی دوامی غلامی کا پختہ بندوبست کر دیا گیا اور اِس حالت سے اُن کے نکلنے کے تمام امکانات ختم کر دیے گئے تو باری تعالیٰ نے متکبرین و جبّارین کا تختہ اُلٹ دینے کا فیصلہ فرمایا۔ ارشاد ہوا:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (القصص: ۵، ۶)

"اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں اُن لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انھیں پیشوا بنا دیں اور اُن ہی کو وارث بنائیں اور زمین میں اُن کو اقتدار بخشیں اور اُن سے فرعون وہامان اور اُن کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انھیں ڈر تھا۔"

یہ ہے وہ خدائی سنّت، جس کا تاریخ میں بار بار اعادہ ہوتا ہے۔ جب بھی دنیا میں کوئی فرعون ابھرا اور اس نے تختِ خداوندی بچھا کر اپنی خدائی کا ڈنکا بجایا، اللہ تعالیٰ نے اس کی سرکوبی کے سامان پیدا کر دیے۔ اِن آیات میں اُن تمام پسے ہوئے، کچلے ہوئے، مظلوم و مقہور انسانوں کے لیے بشارت ہے، جو فراعنۂ وقت کی ظلم کی چکی میں پستے ہیں اور نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ ایسے سب لوگوں کے لیے مژدۂ خداوندی ہے کہ گو ظلم کی رسّی دراز ہو لیکن لامتناہی نہیں۔ ایک نہ ایک دن اس ظلم کے چکّر کا خاتمہ ہوگا اور وہی مظلوم جو ہر قسم کے ظلم و جور کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، اس اقتدار کے مالک ہوں گے جس نے انھیں کچلنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔

فرعونی اندیشے اور انتظامات

چنانچہ یہی کچھ فرعون اور اس کے حاشیہ برداروں کے ساتھ ہوا بنی اسرائیل کو، جو اپنی پیدائش نسل تک میں آزاد نہ چھوڑے گئے تھے، نہ صرف پنجۂ فرعونی سے نجات دلائی بلکہ فرعون اور اس کے اہالیوں موالیوں سب کی تباہی و بربادی کا ذریعہ بھی بنایا اور اُن سب اندیشوں کو پورا کر کے دکھایا جن کی روک تھام کے لیے اس نے یہ سارے پاپڑ بیلے تھے۔

وہ اندیشے کیا تھے جن سے فرعون جیسا طاقتور حکمران خوف کھا رہا تھا؟ ہر ظالم و جابر حکمران کو جو لوگوں پر اپنے جبر و ظلم کی وجہ سے مسلط ہو ہر وقت یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں اس کا تختِ خداوندی اُلٹ نہ دیا جائے اور اس کے اقتدار کا بوریا بستر باندھ نہ دیا جائے۔ کہیں کوئی پتا کھڑکتا ہے تو اُسے یہی سجھائی دیتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ موہوم دشمن کی تخریبی کارروائی ہے۔ چنانچہ اس کو ہمہ وقت یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ ہر اُس خطرے کا سدِباب کر دیا جائے جس کا بعید ترین امکان ہو یا جو کبھی اس کے خیال و خواب میں آیا ہو۔

بنی اسرائیل اسی ملک مصر میں ایک طاقتور حکمران قوم کی حیثیت سے رہ چکے

تھے۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ ان ہی پر مشتمل تھا۔ افراد کی عددی قوت ہر زمانے میں مخالفین کے لیے سوہانِ رُوح بنی رہی ہے۔ یہ تو اِس بیسویں صدی ہی کے فسونِ افرنگ کا اعجاز ہے کہ لوگ اپنی ہی قوم کی کثرتِ تعداد کو خطرہ سمجھنے لگے ہیں۔ فرعون اِس خطرے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُس نے ان کی عددی قوت گھٹانے کے لیے صنفی منصوبہ بندی کا انتظام کیا۔ معاشی طور پر انھیں تجارت و مناصب سے محروم کیا۔ معاشرتی طور پر غلاموں اور مزدوروں کا درجہ عطا کیا اور سیاسی طور پر ایک ایسی کمزور اقلیت کا مقام دیا جس کے ابھرنے کا کوئی امکان نہ ہو۔ اور اِس طرح اپنے دوامی اقتدار کا انتظام کیا۔

اور یہ حفاظتی انتظام صرف فرعون کے لیے ہی مخصوص نہ تھا، اِس میں اُسکا وہ طبقۂ وزراء بھی شامل تھا، جن کا سرخیل ہامان تھا۔ اِس طبقۂ امراء و وزراء کی حفاظت کا انتظام یوں بھی ضروری تھا کہ یہی طبقہ ایسے مطلق العنان حکمرانوں کا دست و بازو ہوتا ہے، بادشاہ سے زیادہ بادشاہ کا وفادار ہوتا ہے اور اُن خباثتوں کا مجموعہ اور مکمل مظہر ہوتا ہے جو اپنے مستبد اور ظالمانہ نظام کو قائم رکھنے کے لیے درکار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف فرعون ہی کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست فرمایا بلکہ اِس طبقۂ وفادارانِ ازلی کا بھی سامان فرمایا:

پیدائشِ موسیٰ علیہ السّلام

اِس گھٹے گھٹے اور خطرناک ماحول میں جبکہ حکومت کے مخبر اور جاسوس گلی گلی اور کوچے کوچے میں بنی اسرائیل کے گھروں کو سونگھتے پھر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک فرد عمران کے گھر میں موسیٰ علیہ السّلام کو پیدا کیا۔ یہ اپنے ماں باپ کے تیسرے بچے تھے، اِن سے پہلے ان کے یہاں ایک بہن اور ایک بھائی موجود تھے جو شاید اِس قانون نسل کُشی کے نفاذ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے، اس لیے محفوظ رہے۔ شاید اُس زمانہ میں قانون کا نفاذ مؤثر بہ ماضی (With-Retrospective Effect) نہ ہوتا تھا ورنہ شاید یہ بہن بھائی بھی اللہ کو پیارے

ہو چکے ہوتے۔

ایسے جاسوسی ماحول میں جہاں ایک زبردست اور ظالم اکثریت چاروں طرف موجود ہو اور ایک مجبور و لاچار اقلیت کے ایک ایک گھر کی خبر رکھتی ہو، یہ کیسے ممکن تھا کہ کسی بچے کی ولادت زیادہ عرصے تک چھپی رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کے وقت ہی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اس خطرے سے نہ صرف آگاہ فرمادیا بلکہ اس کے بچنے کی تدبیر بھی بتادی۔ بچے کی حفاظت کا خود ذمہ لیا اور اس کو آئندہ مقام رسالت پر سرفراز کرنے کی خوشخبری بھی سنادی۔ ارشاد ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں بہانا

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ (القصص: ۷)

"ہم نے موسیٰؑ کی ماں کو اشارہ کیا کہ "اس کو دودھ پلا، پھر جب تجھے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر، ہم اسے تیرے ہی پاس واپس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔"

دوسرے مقام پر اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا یُوْحٰٓى ۝ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَیْنِیْ ۝ اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ (طٰہٰ: ۳۷ تا ۴۰)

"اے موسیٰؑ، ہم نے پھر ایک مرتبہ تجھ پر احسان کیا۔ یاد کر وہ وقت جب کہ ہم نے تیری ماں کو اشارہ کیا، ایسا اشارہ جو وحی کے ذریعے سے ہی کیا جاتا ہے، کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور اسے میرا دشمن اور اس بچے کا دشمن اُٹھالے گا۔ مَیں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کر دی اور ایسا انتظام کیا کہ تو میری نگرانی میں پالا جائے۔ یاد کر جب کہ تیری بہن چل رہی تھی، پھر جا کر کہتی ہے "مَیں تمہیں اُس کا پتہ دوں جو اس بچے کی پرورش اچھی طرح کرے"۔ اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہو"

یعنی اللہ تعالیٰ نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اُن کی والدہ کو یہ بتا دیا کہ بچے کو دریا میں ڈال دیں بلکہ ساتھ ساتھ اپنی ساری اسکیم بھی سمجھا دی اور تسلّی بھی دی کہ بظاہر یہ کام تمہیں بچے کی ہلاکت کا سبب معلوم ہو گا لیکن دراصل یہ بچے کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کی سبیل ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام سے اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا تھا اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ ان کی نہایت اعلیٰ درجہ پر پرورش و تربیت کی جائے اور وہ اُن تمام علوم و صفات سے مزیّن ہوں جو اس کام کے لیے ضروری تھے۔ ظاہر ہے کہ شاہی محل سے بہتر اور کون سی جگہ ہو سکتی تھی جہاں اس تربیت کا بندوبست کیا جاتا۔

بظاہر یہ بات قطعًا ناممکن تھی کہ ایک اسرائیلی خاندان کا بچہ دشمن قبطی النسل خاندان میں، اور وہ بھی شاہی خاندان میں، پرورش پائے۔ ایسا کوئی اثر و رسوخ بھی نہ تھا کہ شاہی محل میں پرورش تو بڑی چیز ہے، رسائی ہی ہو جاتی۔ لیکن آپ خدائی انتظامات دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے اُس کو کس طرح پورا کرتا ہے۔ وہی لوگ جو اس کام کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں، اُس

کام کی تکمیل میں دانستہ یا نادانستہ لگ جاتے ہیں اور انھیں اُس وقت پتا چلتا ہے جب وہ مکمل ہوچکا ہوتا ہے۔ ظاہر میں آنکھیں کسی اور نتیجہ کی متوقع ہوتی ہیں لیکن بالآخر جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ اُن کی توقعات کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اس ہی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ۝ (الاعراف: ۱۸۳)

"بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہوتی ہے۔"

موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ بظاہر یہ ایسا خوفناک کام تھا جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوسکتا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اُس کو موت کے منہ میں دھکیل دیا، لیکن محافظ حقیقی جس کی حفاظت فرمائے اُس کو کون نقصان پہنچا سکتا ہے۔ دریا کی لہریں بچّے کو بہا کر آہستہ آہستہ اُس مقام تک لے جاتی ہیں جہاں فرعون اپنی ملکہ اور خدام کے ساتھ محوِ خرام ہے اور صندوق کنارے پر جا کر لگ جاتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے قبضے میں

فرعون یا اُس کے خدّام کی بچّے پر نظر پڑتی ہے۔ یہ عین ممکن تھا کہ جو شخص ہزاروں معصوم بچوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکا تھا، ایک اور بچے کو قتل کرا دیتا یا اُس کو بے رحم موجوں کے حوالے ہی رہنے دیتا کہ مچھلیوں اور دریائی جانوروں کی خوراک بن جاتا، لیکن یہ کیسے ممکن تھا؟ یہاں تو خدا کو منظور ہی کچھ اور تھا۔ یہاں تو اللہ تعالیٰ کو یہ بتانا اور دکھانا تھا کہ جس خطرے کو ختم کرنے کے لیے اُس نے اتنے پاپڑ بیلے تھے اُس ہی خطرۂ تخت و جان کو اپنے ہاتھوں سے پالے گا، پرورش کرے گا اور اس طرح اُس خدائی اسکیم کو مکمل کرے گا جس سے وہ بچنا چاہتا تھا۔ چنانچہ بچے کو نکال لیا گیا اور اُس کی قسمت کا فیصلہ کیا جانے لگا۔ قرآن مجید نے اِس واقعہ کی اِن الفاظ میں خبر دی:

فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِیَکُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ○ وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (القصص: ۸، ۹)

"آخر کار فرعون کے گھر والوں نے اُسے (دریا سے) نکال لیا تاکہ وہ اُن کا دشمن اور ان کے لیے سببِ رنج بنے، واقعی فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر (اپنی تدبیر میں) بڑے غلط کار تھے۔ فرعون کی بیوی نے (اُس سے) کہا "یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، کیا عجب یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو، یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں" اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔"

غلام اور حواریوں نے، جو ہمیشہ بادشاہ کے بادشاہ سے زیادہ وفادار ہوتے ہیں، مشورہ دیا ہوگا کہ حضور، اس کو فوراً قتل کرا دیجیے۔ کیا عجب یہ اُس ہی گردن زدنی قوم ــ بنی اسرائیل ــ ہی کے کسی گھرانے سے تعلق رکھتا ہو اور آگے چل کر ہمارے لیے پریشانی کا سبب بنے۔ لیکن فرعون کی بیوی نے، جو اپنے سینے میں ایک عورت کا دل رکھتی تھی، اور شاید بے اولاد ہونے کی وجہ سے بچوں سے کچھ زیادہ ہی شغف رکھتی ہو، ان تمام نیاز مندانہ مشوروں کی مخالفت کی۔ پھر بچہ بھی ایسا من موہنا تھا کہ کٹر سے کٹر شخص کو بھی اُس پر بے اختیار پیار آجائے۔ وہ کیسے اس چاند کے ٹکڑے کو قتل ہوتے دیکھ سکتی تھی۔ چنانچہ اُس نے مشورہ دیا کہ ایسے پیارے بچے کو قتل نہ کیا جائے۔ بچہ حد درجہ حسین اور ذہین معلوم ہوتا ہے، اُس کو گود لے لیا جائے، شاید یہ ہمارے دل کا قرار اور آنکھوں کا نور ثابت ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے محل میں پہنچانے اور وہاں پرورش کرانے کا بندوبست کیا اور فرعون اور اُس کے سارے مشیر اپنی تمام داناٸیوں اور ہوشیاریوں کے باوجود، اُس شخص کو پالنے پوسنے اور تربیت دینے میں مشغول ہو گئے جو کل اُن کا

تختِ اقتدار اُلٹنے والا تھا۔ یہ بات کبھی اُن کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آئی ہوگی کہ ہم اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا سامان تیار کر رہے ہیں، اور آ بھی کیسے سکتی تھی! خدائی تدابیر ہوتی ہی ایسی ہیں کہ دشمنانِ خدا اُن کو اپنی بھلائی اور بہتری کے لیے اختیار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم سب بالکل محفوظ و مامون ہو گئے۔ لیکن وقت گزرنے پر جب اُن کے نتائج اُن کے سامنے آتے ہیں تو اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کی حالت

اِدھر اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السّلام کی حفاظت، پرورش اور انھیں بامِ عروج پر پہونچانے کا انتظام فرما رہا تھا، اُدھر موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ اور ہوتا بھی کیوں نہیں؟ ایک ماں اپنے لختِ جگر کو اپنے ہاتھوں سے دریا میں پھینک کر اور دریا کی خوفناک موجوں کے سپرد کر کے کیسے چین سے بیٹھ سکتی تھی؟ اُس کی مامتا تو اُسے ایک لمحے کے لیے بھی چین سے نہ بیٹھنے دے گی۔ اور ہوا بھی یوں ہی:

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (القصص: ۱۰ تا ۱۳)

"اُدھر موسیٰؑ کی ماں کا دل اُڑا جا رہا تھا۔ وہ اس کا راز فاش کر بیٹھتی اگر ہم اُس کی ڈھارس نہ بندھاتے تا کہ (ہمارے وعدہ پر) ایمان لانے

وهم لا يشعرون

والوں میں سے ہو۔ اُس نے بچے کی بہن سے کہا کہ اِس کے پیچھے پیچھے جا۔
چنانچہ وہ الگ سے اس کو اس طرح دیکھتی رہی کہ (دشمنوں کو) اس کا پتہ
نہ چلا۔ اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کی چھاتیاں حرام کر
رکھی تھیں۔ (یہ حالت دیکھ کر) اُس لڑکی نے اُن سے کہا "میں تمھیں ایسے
گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمّہ لیں اور خیر خواہی کے
ساتھ اُسے رکھیں"۔ اس طرح ہم موسیٰؑ کو اُس کی ماں کے پاس پلٹا لائے
تاکہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ
سچا تھا، مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے"۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے لختِ جگر کو دریا کے سپرد کر کے کیسے چین
سے بیٹھ سکتی تھیں۔ عین ممکن تھا کہ وہ رو رو کر محلہ کو سر پہ اُٹھا لیتیں اور اِس
طرح سارا راز فاش کر دیتیں۔ لیکن جس خدا نے موسیٰؑ کو اب تک زندہ و سلامت
رکھا تھا وہ یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ ایک عورت کی بے قراری کی وجہ سے ایک پوری
قوم کا مستقبل تباہ ہونے دیتا۔ ابھی تو اُسے موسیٰ علیہ السلام سے بہت سے کام
لینا تھے۔ ابھی تو انھیں پوری انسانیت کو رُشد و ہدایت کی راہ دکھانے کے لیے
منصبِ رسالت پر سرفراز کرنا تھا، ابھی تو اُن کے ذریعے فرعونی جبر و استبداد
کو غرق کرانا تھا، ابھی تو اُنھیں آنے والی نسلوں کے لیے مایوسی و ناامیدی کی
تاریکیوں میں مشعلِ راہ بنانا تھا، ابھی تو انھیں کمزوروں، ناتوانوں اور مجبوروں
کے لیے سامانِ بشارت بنانا تھا، ابھی تو اُنھیں ایک کچلی ہوئی، بے بس قوم کا نجات
دہندہ بنانا تھا اور رہتی دنیا تک تمام مظلوموں کے لیے یہ خوش خبری سُنانے والا
بنانا تھا کہ "ہر فرعونے را موسیٰ"۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو صبر و قرار دیا اور تسلّی دی کہ بچّہ نہ صرف
صحیح و سلامت ہو گا بلکہ پیغمبر بھی بنے گا اور ایک دن ایک پوری اُمت کا نجات
دہندہ بنے گا۔ لیکن ماں پھر ماں ہوتی ہے، اُس کی مامتا اُسے کہاں چین سے

بیٹھنے دیتی ہے۔ بے چینی جب زیادہ بڑھنے لگی تو اپنی لڑکی ہی کو بھیج دیا کہ جانا، ذرا دُور دُور سے دیکھتی رہنا کہ صندوق کہاں جاتا ہے؟

بہن کی ذہانت

لڑکی بڑی ذہین اور ہوشیار تھی، صندوق کا اس طرح پیچھا کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی کہ اِس لڑکی کو اِس بچے سے کوئی سروکار ہے۔ لڑکی نے جب دیکھا ہوگا کہ صندوق فرعون کے خادموں نے نکال لیا ہے اور بچہ فرعون کے سامنے پیش کیا گیا ہے تو جان ہی نکل گئی ہوگی کہ کس دشمنِ جاں کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ اِس وقت دل کی جو حالت ہوئی ہوگی اس کا اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن لڑکی نے کمال ہوشیاری اور صبر و سکون سے اپنا فرض انجام دیا اور اپنے جذبات کو قطعاً ظاہر نہ ہونے دیا اور برابر اس ٹوہ میں لگی رہی کہ اب کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ یہ سُن کر ایک گونہ اطمینان ہوا ہوگا کہ بادشاہ نے نہ صرف اس کو زندہ رکھنے بلکہ اس کی خود پرورش کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

موسٰی علیہ السّلام کی رضاعت

اب آپ اللہ تعالیٰ کا انتظام دیکھیں کہ کس طرح ماں بیٹے کو ملانے کا بندوبست فرماتا ہے۔ شاہی محلات اور رؤساء کے گھرانوں میں یہ رواج تھا اور یہ رواج آج بھی ہے، کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے انائیں مقرر کی جاتی تھیں۔ جتنی بھی دودھ پلانے والی انائیں آئیں، اپنی تمام تر کوشش کے باوجود بچہ کسی سے دودھ پینے پر راضی نہ ہوا، اور ہوتا بھی کیسے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے پہلے ہی سے تمام دودھ پلانے والیاں اس بچے پر حرام کر رکھی تھیں"۔ شاہی محل میں کھلبلی مچ گئی ایسی انا کی تلاش ہوئی، جو اِس بچے کو دودھ پلا سکے۔ موسٰی علیہ السّلام کی بہن تو تاک میں تھی، شاہی محل میں اطلاع کرائی کہ مَیں ایسی انا کا پتا بتا سکتی ہوں جو اِس بچے کو دودھ پلا سکے اور اپنی ماں کی نشاندہی کی۔ اس ساری گفتگو میں یہ کہیں ظاہر نہ ہونے دیا کہ بچے اور ماں کا کوئی تعلق ہے۔ چنانچہ موسٰی علیہ السلام کی ماں کو ہاتھوں ہاتھ

لیا گیا اور لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہی بچہ جو کسی طرح کسی انّا سے دودھ پینے کے لیے تیار نہ تھا، آرام وسکون سے اِس عورت کا دُودھ پی رہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک ہی تدبیر سے ماں بیٹے کو ملا بھی دیا، بیٹے کی شاہی محل میں پرورش کا انتظام بھی کر دیا اور تمام خطرات سے محفوظ بھی کر دیا اور ایسے تمام بے وقوفوں کو جو اپنی قوت وحشمت پر ناز کرتے ہیں یہ بتانے کا بھی بندوبست کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمھاری ساری چالاکیاں اور دانائیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور اللہ کے، اُس کے رسول کے اور مومنین کے مقابلے میں تمھاری ساری چالبازیاں ناکام ہوں گی۔

ایک حادثہ اور مدین کو ہجرت

غرض موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے محل میں شاہی انتظامات کے تحت پرورش ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ سنِ بلوغت کو پہنچ گئے اور اُن ضروری اوصاف و علوم سے آراستہ ہو گئے جو ایک عظیم رہنما اور مدبّر کے لیے ضروری ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (القصص: ۱۴)

"جب موسیٰؑ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور اس کا نشو و نما مکمل ہو گیا تو ہم نے اُسے حکم اور علم عطا کیا، ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔"

شہر میں گشت

ایک دن جبکہ شہر کی گلیوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا اور لوگ محوِ آرام تھے وہ شہر میں آئے۔ ممکن ہے کہ شہر کا جائزہ لینے آئے ہوں اور اس کے لیے سکون کا وقت منتخب کیا ہو، کیونکہ مصروفیات کے اوقات میں شاہزادوں کی سواری اگر شہر میں آئے تو ایک جمِ غفیر اکٹھا ہو جاتا ہے اور جائزہ لینا ممکن نہیں رہتا۔ یا شاید بنی اسرائیل کی بستیوں کا حالِ زار معلوم کرنے کے لیے نکلے ہوں اور یہ احتیاط سامنے ہو کہ شاہی خاندان کے ایک فرد کی غلاموں کی بستی میں آمد و رفت فرعون اور اس کے حواریوں کو چونکا نہ دے۔

ایک قبطی کا قتل

بہرحال وجہ کچھ بھی ہو، آپ نے شہر میں آنے کے لیے سنسان وقت منتخب کیا۔ ناگاہ آپ نے دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ اُن میں سے ایک

شخص اسرائیلی تھا اور دوسرا قبطی تھا۔ اسرائیلی شخص محکوم قوم سے تعلق رکھنے کی بنا پر نفسیاتی اور جسمانی طور پر مغلوب ہو رہا تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ شاہزادہ آ رہا ہے تو مدد کے لیے پکارا۔ ممکن ہے کہ اُس نے حضرت موسٰی علیہ السّلام کو مدد کے واسطے اس لیے پکارا ہو کہ وہ زمانہ شاہزادگی میں ہی ضعیفوں اور کمزوروں کی مدد کے لیے مشہور ہو گئے ہوں یا شاید وہ ایک اسرائیلی شاہزادے کی حیثیت سے متعارف ہو گئے ہوں۔ بہرحال حضرت موسٰی علیہ السّلام نے جب ایک مظلوم شخص کو پٹتے ہوئے دیکھا اور مدد کی پکار کو سُنا تو فوراً ہی حمایتِ مظلوم کی حِس جاگ اُٹھی۔ جس شخص کو ایک پوری قوم کو جور و ظلم سے نجات دلانا تھا وہ یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ ایک مظلوم پُکارے اور وہ مدد کو نہ دَوڑے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ حضرت موسٰیؑ اس کی مدد کو پہنچے اور اُس ظالم قبطی کے ایک گھونسا رسید کیا۔ قضائے الٰہی، وہ گھونسا ایسا کاری لگا کہ اُس کا کام تمام ہو گیا۔ اب تو موسٰیؑ بڑے پریشان ہوئے۔ قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن قتل ہو گیا۔ فوراً ہی اپنے رب کے حضور گڑگڑائے اور معافی مانگی اور توبہ کی کہ آئندہ ایسا کبھی نہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو بڑا غفور رحیم ہے اُس کو معاف کر دیا، اُس پر پردہ ڈال دیا اور کسی کو پتہ نہ چلا۔

افشائے راز

اگلے دن صبح کو جب موسٰی علیہ السّلام پھر شہر میں آئے تو دیکھا وہی اسرائیلی شخص جس کو کل چھڑایا تھا آج پھر جھگڑ رہا ہے۔ حضرت موسٰیؑ نے اُس کو ڈانٹا پھٹکارا اور کہا کہ تو بڑا ہی جھگڑالو آدمی ہے، ہمیشہ لڑتا جھگڑتا رہتا ہے۔ اس کے بعد آپ قبطی کی طرف چلے لیکن اسرائیلی سمجھا کہ شاید مجھے مارنے آ رہے ہیں۔ وہ کل کا واقعہ دیکھ چکا تھا اور حضرت موسٰیؑ کی قوت و طاقت سے واقف ہو چکا تھا، سمجھا کہ آج میری خیر نہیں۔ فوراً ہی چیخ اُٹھا کہ اے موسٰیؑ، جس طرح تُو نے کل ایک آدمی کو قتل کیا تھا، اُسی طرح آج مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے؟ اِس طرح اُس بے وقوف نے اپنے ہی مُحسن کا راز سرِ بازار فاش کر دیا۔ اِس واقعہ کو قرآن مختصر طور پر

یوں بیان فرمایا ہے:

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۔

(طٰہٰ: ۴۰)

"اور یاد کر جب کہ تُو نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا، پھر ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور اُس وقت ہم نے تجھے سخت آزمائش میں مبتلا کیا۔"

اور اِس کی تفصیل سورۃ القصص میں یوں بیان فرمائی ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝

(القصص: ۱۵ تا ۱۹)

"(ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جبکہ اہلِ شہر غفلت میں تھے۔ وہاں اُس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک اُس کی اپنی

قوم کا تھا اور دوسرا اُس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اُسے مدد کے لیے پکارا۔ موسیٰؑ نے اُس کو ایک گھونسا مارا اور اُس کا کام تمام کر دیا۔ (یہ حرکت سرزد ہوتے ہی) موسیٰؑ نے کہا: "یہ شیطان کی کارفرمائی ہے، وہ سخت دشمن اور کھلا گمراہ کن ہے۔" پھر وہ کہنے لگا: "اے میرے رب، مَیں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا، میری مغفرت فرما دے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی مغفرت فرما دی وہ غفور رحیم ہے۔ موسیٰؑ نے عہد کیا کہ "اے میرے رب، یہ احسان جو تُو نے مجھ پر کیا ہے اس کے بعد مَیں اب کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔"

دوسرے روز وہ صبح سویرے ڈرتا ہوا اور ہر طرف سے خطرہ بھانپتا ہوا شہر میں جا رہا تھا کہ یکایک کیا دیکھتا ہے کہ وہ شخص جس نے کل اُسے مدد کے لیے پکارا تھا آج پھر اُسے پکار رہا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا "تو تو بڑا ہی بہکا ہوا آدمی ہے۔" پھر جب موسیٰؑ نے ارادہ کیا کہ دشمن قوم کے آدمی پر حملہ کرے تو وہ پکار اُٹھا "اے موسیٰؑ، کیا آج تُو مجھے اُسی طرح قتل کرنے لگا ہے جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے، تو اِس ملک میں جبّار بن کر رہنا چاہتا ہے، اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔"

اُس بے وقوف شخص نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اپنے اور اپنی قوم کے محسن کو پھنسوانے کا پورا بندوبست کیا بلکہ اُس سے زائد یہ کیا کہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے اور اِرد گرد کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اُلٹا موسیٰؑ کو سرزنش کرنے لگا۔ اسے کہتے ہیں "نادان کی دوستی، جی کا جنجال۔"

موسیٰ علیہ السّلام کو قتل کرنے کی سازش

بس اب کیا تھا، قتل کا ثبوت مل چکا تھا۔ اگر شاید بنی اسرائیل کا کوئی فرد قتل ہو جاتا تو کوئی باز پُرس نہ ہوتی کیونکہ وہ تو پیدا ہی قتل کیے جانے کے لیے ہوتے تھے۔ یہاں تو معاملہ ایک حاکم قوم کے فرد کے قتل کا تھا اور وہ بھی بنی اسرائیل

کے ایک فرد کے ہاتھوں فوراً ہی شاہی محل تک اطلاع پہنچی۔ فرعونی سردار جو پہلے ہی سے موسیٰؑ سے خار کھاتے تھے، اکٹھے ہوئے۔ مشورہ ہوا اور طے کیا گیا کہ یہ سنہرا موقعہ ہے، موسیٰؑ بچنے نہ پائے، بس اب اس کو قتل کر دو۔ لیکن "جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے"۔ جس ذات نے ان کو پیدائش کے وقت ظالموں کے چنگل سے بچایا تھا اور اُن ہی قاتلوں سے ان کی پرورش کروائی، جسے ابھی نبوت عطا کرنا تھی اُس کو ایسے کیسے ضائع ہونے دیتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی رستگاری کی یوں سبیل پیدا کی۔

ہجرت مدین

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ز قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ز قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ (القصص: ۲۰ تا ۲۲)

"اس کے بعد ایک آدمی شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا "موسیٰؑ، سرداروں میں تیرے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں، یہاں سے نکل جا، میں تیرا خیر خواہ ہوں"۔

یہ خبر سنتے ہی موسیٰؑ ڈرتا اور سہمتا نکل کھڑا ہوا اور اس نے دعا کی کہ "اے میرے رب، مجھے ظالموں سے بچا"۔

(مصر سے نکل کر) جب موسیٰؑ نے مدین کا رخ کیا تو اس نے کہا "امید ہے کہ میرا رب مجھے ٹھیک راستے پر ڈال دے گا"۔

یہ آدمی جو دوڑتا ہوا آیا، ظاہر ہے کہ فرعونی دربار سے تعلق رکھتا ہو گا اور وہاں کے حالات سے باخبر رہتا ہو گا۔ اس نے جوں ہی سنا کہ موسیٰؑ کے قتل

کی سازش ہو رہی ہے، فوراً ہی دوڑا ہوا آیا اور اُن کو اصل خطرہ سے آگاہ کیا۔

موسیٰ علیہ السلام جس تحریک کی سربراہی کرنے والے تھے، اس کے لیے جن اخلاق و اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ پہلے ہی سے اُن کے اندر نشو و نما پانے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ جن حضرات کو نبوت عطا کرتا ہے، یا اصلاح کے کام پر مامور کرتا ہے، اُن کے اندر پہلے دن ہی سے اوصافِ حمیدہ پیدا کر دیتا ہے۔ موسیٰؑ نے اپنی عمر کا بہترین حصّہ، بچپن اور جوانی، فرعون کے محل میں گزاری تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہاں عمر کا اتنا حصّہ گزارنے کے باوجود کچھ لوگ اُن کے اخلاقِ حسنہ سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ ایسے ہی متاثرین میں سے ایک وہ شخص تھا جس نے آکر یہ اطلاع دی۔ موسیٰؑ، فرعون اور اس کے درباریوں کی جبلت و طینت سے پوری طرح واقف تھے۔ پھر اطلاع دینے والا بھی ایک مخلص آدمی تھا، کیسے یقین نہ کرتے؟ چنانچہ انھوں نے فوراً خطرہ کو تاڑ لیا اور مشورہ کے مطابق مصر سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن جائیں کہاں؟ یہ بڑا اہم سوال تھا۔ چاروں طرف حکومت کی چوکیاں تھیں، اُن سے بچ نکلنا آسان کام نہ تھا۔ اِن حالات میں اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو گھبرا کر جدھر منہ اُٹھتا بھاگ جاتا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام تو عام انسانوں سے بہت بلند تھے۔ انھوں نے ہدایت کے لیے فوراً ہی اپنے رب کی طرف رجوع کیا اور جو بھی اپنے رب سے رجوع کرتا ہے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ چنانچہ انھیں رہنمائی ملی اور وہ مدین کی طرف روانہ ہو گئے، جو مصر سے مشرق کی طرف قریب ترین علاقہ بھی تھا اور فرعون کی دسترس سے باہر بھی۔

ورودِ مدین اور بدویانہ زندگی کا آغاز

چنانچہ کئی دن چلنے کے بعد چھپتے چھپاتے کسی طرح مدین پہنچ گئے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے قیام وطعام کا پہلے ہی سے بندوبست کر رکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا بندوبست فرما دیتا ہے۔ آئندہ جو کچھ پیش آیا اُسے قرآن مجید ہی کے الفاظ میں سُنیئے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۖ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ۝ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ

اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ط وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ہ (القصص: ۲۳ تا ۲۸)

"اور جب وہ مدین کے کنوئیں پر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور اُن سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰؑ نے ان عورتوں سے پوچھا "تمھیں کیا پریشانی ہے؟" انھوں نے کہا "ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتے جب تک کہ یہ چرواہے اپنے جانور نہ نکال لے جائیں، اور ہمارے والد ایک بہت بوڑھے آدمی ہیں"۔ یہ سُن کر موسیٰؑ نے اُن کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر ایک سائے کی جگہ جا بیٹھا اور بولا: "پروردگار، جو خیر بھی تُو مجھ پر نازل کر دے میں اُس کا محتاج ہوں"۔ (کچھ دیر نہ گزری تھی کہ) ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور کہنے لگی: "میرے والد آپ کو بُلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے لیے جانوروں کو پانی جو پلایا ہے اس کا اجر آپ کو دیں"۔ موسیٰؑ جب اُس کے پاس پہنچا اور اپنا سارا قصّہ اُسے سُنایا تو اُس نے کہا: "کچھ خوف نہ کرو، اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو"۔

اُن دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا: "ابا جان، اس شخص کو نوکر رکھ لیجیے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو"۔

اس کے باپ نے (موسیٰؑ سے) کہا: "میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمھارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو، اور اگر دس سال پورے کر دو تو یہ تمھاری مرضی ہے۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ تم ان شاء اللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے"۔ موسیٰؑ نے جواب دیا: "یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی۔

ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر دوں اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو، اور جو کچھ قول و قرار ہم کر رہے ہیں، اللہ اس پر نگہبان ہے۔"

خدا سے فریاد

موسیٰؑ بھوک پیاس کے مارے ہوئے تھے، چلتے چلتے نڈھال ہو گئے ہوں گے۔ بے یار و مددگار، یکہ و تنہا، اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ کہیں راستہ نہ بھول جائیں اور بھٹک کر صحرا ہی میں خاتمہ نہ ہو جائے۔ ایسے نازک وقت میں خدا کے سوا کوئی نہیں ہوتا جو مدد کرے۔ اور پھر یہی وہ نازک لمحات ہوتے ہیں جن میں خدا کی یاد دلوں کے اطمینان و سکون کا سبب ہوتی ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ؕ (الرعد: ۲۸)

"ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنھوں نے ایمان قبول کر لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔"

موسیٰؑ، جو بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی عنایات کا ہر دم مشاہدہ کر رہے تھے، کیسے اس کی یاد سے غافل ہو جاتے۔ چنانچہ فوراً ہی وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور گڑگڑا کر دعا کی اور اس یقین سے سرشار ہو کر بولے "امید ہے کہ میرا رب مجھے ٹھیک راستے پر ڈال دے گا۔"

اور ہوا بھی ایسا ہی۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انھیں محفوظ راستہ دکھایا، نہ صرف یہ کہ انھیں بخیر و عافیت منزلِ مقصود تک پہنچایا بلکہ ایسے مقام پر لا کھڑا کیا جہاں سے ان کی آئندہ زندگی کا رخ مڑنا تھا۔

کنوئیں پر پہنچنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے کنوئیں پر وارد ہوئے، تو وہاں انھوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ ہر شخص آتا ہے اور اپنے جانوروں

کو پانی پلا کر چلا جاتا ہے۔ دو بے چاری عورتیں ایک طرف کھڑی اپنے جانوروں کو لیے، منہ تک رہی ہیں کہ کب ہماری باری آئے اور کب پانی پلائیں۔ موسیٰؑ نے جب یہ ماجرا دیکھا تو ان سے نہ رہا گیا۔ جس شخص کو آئندہ ایک پوری مظلوم قوم کو نجات دلانا تھا وہ دو بیکس عورتوں کی مظلومیت کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اٹھے اور چل کر دونوں عورتوں تک پہنچے اور پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ انھوں نے دیکھا کہ ایک تندرست و توانا شخص ہمدردی پر آمادہ ہے تو انھوں نے اپنی پوری بپتا سنادی کہ کس طرح یہاں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا راج" ہے۔ قوی اور زور آور آدمی پہلے اپنے جانوروں کو پانی پلا لیتے ہیں جب سب چلے جاتے ہیں تو ہماری باری آتی ہے۔ ہمارے یہاں کوئی آدمی نہیں، ایک بوڑھا باپ ہے جس میں چلنے کی طاقت نہیں۔ مجبوراً اپنا حق چھوڑ کر دوسروں کے رحم و کرم پر رہتے ہیں۔ موسیٰؑ کی حمیت و غیرت فوراً جاگ اٹھی، انھوں نے کہا لاؤ میں تمہارے ریوڑ کو پانی پلادوں۔ جو لوگ ان عورتوں کا حق مار کر پہلے سے براجمان تھے، حضرت موسیٰؑ کو دیکھ کر، ان کی وجاہت و شہامت اور قوت و جرأت دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور راستہ دے دیا۔ موسیٰ علیہ السّلام نے پانی پلا کر جانوروں کو عورتوں کے حوالہ کیا اور خود سستانے بیٹھ گئے۔

حضرت رعوایل سے ملاقات

یہ دونوں لڑکیاں مدین کے مشہور بزرگ اور مصلح حضرت رعوایل[1] کی صاحبزادیاں

---

[1] بعض مفسرین کے نزدیک یہ بزرگ حضرت شعیبؑ تھے، مگر حضرت شعیبؑ کا زمانہ حضرت لوطؑ (اور حضرت ابراہیمؑ) سے قریب ہے۔ جیسا کہ قرآن میں حضرت شعیبؑ کا قول مذکور ہے وما قوم لوط منکم ببعید اور حضرت لوطؑ اور حضرت موسیٰؑ کے عہد میں کئی سو سال کا فصل ہے۔ پھر قرآن مجید کا یہ طریق نہیں کہ ایک مقام پر تو ایک نبی کا ذکر نام کی صراحت کے ساتھ ہو اور دوسرے مقام پر انہی کا ذکر بغیر نام کے ہو۔ کسی حدیث صحیح میں بھی یہ وارد نہیں کہ یہ شیخ کبیر حضرت شعیبؑ تھے۔ توراۃ میں ان کا نام رعوایل (Reuel) مذکور ہے۔

تھیں۔ انھوں نے گھر پہنچتے ہی سارا قصّہ اپنے والد کو سُنایا اور اُن کی ہمدردی و خیر خواہی جرأت و قوت، پاکبازی اور بے لوثی کی بڑی تعریف کی۔ ان کے والد کو یہ سُن کر ملنے کا بڑا اشتیاق ہُوا۔ انھوں نے اپنی ایک لڑکی سے کہا کہ اُس شخص کو بُلا کر لاؤ تاکہ مَیں اُس شخص کے احسان کا بدلہ چکاؤں اور اُس مشقت کا کچھ معاوضہ دوں جو اُس نے کی ہے۔

چنانچہ اپنے والد کے ارشاد کی تعمیل میں، ایک لڑکی شرماتی، لجاتی، باحیا اور باغیرت لڑکیوں کی طرح موسٰیؑ کے پاس آئی۔ کاش اِس زمانے کی ماڈرن 'مردنما' عورتیں جو منہ کھول چھپڑ پھاڑ، دوپٹہ اُتار، سینہ تان کر مردانہ وار پھرتی ہیں، اِس واقعے سے کچھ نصیحت حاصل کرتیں کہ آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے بھی نسوانیت کس عروج پر تھی۔ ایک صحرانشین آزاد ماحول میں پرورش پائی دوشیزہ اپنے جوہرِ نسوانیت کی کس طرح حفاظت کرتی ہے۔ اُس کا ماحول اور ضروریات متقاضی تھیں کہ وہ مردانہ اطوار اختیار کرے، لیکن اُس "تاریک" دَور میں بھی ایک شریف لڑکی یہی سمجھتی تھی کہ نسوانیت نام ہے شرم و حیا کا، عصمت و عفت کا، غیرت و شرافت کا۔ ایک عورت ان جواہر سے عاری ہو کر سب کچھ ہو سکتی ہے لیکن عورت نہیں ہو سکتی ــــ ایسی عورت جس پر انسانیت فخر کرے اور جس کی گود میں ایسی نسل پرورش پائے جو دنیا کی تقدیر بدل سکے۔

غرض اس لڑکی نے موسٰیؑ کو اپنے والد کا پیغام دیا کہ وہ آپ کو بُلا رہے ہیں اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کا حال معلوم کریں اور آپ نے جو احسان کیا ہے اس کا بدلہ دیں۔

موسٰی علیہ السّلام نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی اور اللّٰہ تعالٰی نے جو فطرتِ سلیم انھیں عطا کی تھی اس کی بنا پر وہ اس کے عادی نہ تھے کہ کسی کی مدد پر معاوضہ کی خواہش کریں۔ لیکن آہ! مجبوری بھی کیا شے ہوتی ہے۔ آپ اُس وقت جن حالات میں گھرے ہوئے تھے اُن میں اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ کوئی آپ کو ہمدرد اور سرد ھرا مِل جائے جسے اپنی رام کہانی سُنائیں، آئندہ کے متعلق مشورہ کریں۔ ابھی فرعون کے تعاقب کا اندیشہ تھا، چاہتے تھے کہ پہلے کوئی جائے پناہ مِل جائے جہاں

اِس خطرہ سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ چنانچہ موسٰی علیہ السّلام نے جب دیکھا کہ میری دُعا، "الٰہی تو جو خیر بھی نازل کرے، مَیں اُس کا محتاج ہوں" اِس شکل میں قبول ہو رہی ہے تو اُٹھے اور اُن بزرگ سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے۔ اُن سے ملے اور اپنا سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ اُنھوں نے سُن کر کہا کہ "گھبراؤ نہیں، تم محفوظ و مامون ہو، یہاں فرعون کی دسترس سے باہر ہو، اب وہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"۔ جب لڑکیوں کو یہ معلوم ہُوا کہ یہ شخص یکّہ و تنہا ہے، بے سہارا اور بے آسرا ہے، مدد کا محتاج ہے اور خود انھیں بھی ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اُن کی خدمت کر سکے اور کام کاج کی نگرانی کر سکے تو انھوں نے اپنے والد کو مشورہ دیا کہ ہمیں تو ایک ملازم کی ضرورت ہے ہی، آپ اِس کو ہی ملازم رکھ لیں۔ یہ تندرست و توانا بھی ہے، جرأت مند اور بہادر بھی ہے، نیک سیرت و پاکباز بھی ہے اور ایمان دار بھی۔ انھیں کیا خبر تھی کہ جس شخص کو ملازم رکھنے کی وہ سفارش کر رہی ہیں اُسی سے ایک بہن کا مستقبل وابستہ ہونے والا ہے۔ واقعی اللہ کی تدبیروں سے کم ہی لوگ واقف ہوتے ہیں۔

پیغامِ نکاح

حضرت رعوایل ایک جہاندیدہ، مردم شناس بزرگ تھے، حضرت موسٰیؑ کو دیکھ کر انھوں نے اندازہ لگایا کہ ایسے شخص کو ملازم کی حیثیت سے رکھنا مناسب نہیں۔ ان کے طور اطوار، ان کی عادات و خصائل، ان کی وجاہت اور شرافت کسی اور چیز کا پتہ دے رہی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی کہ ایسے شخص کو اپنے گھر کا ایک فرد بنا کر رکھا جائے اور اس کی صلاحیتوں کو اُجاگر ہونے کا موقع دیا جائے۔ آپ نے موسٰی علیہ السّلام سے کہا: "مَیں چاہتا ہوں کہ اپنی اِن دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمھارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو، اور اگر دس سال پُورے کر دو تو یہ تمھاری مرضی ہے۔ مَیں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ تم انشاءاللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے"۔

موسٰی علیہ السّلام اُس وقت ایک جائے پناہ کے سخت ضرورت مند تھے۔

ایک تو روزی کا بندوبست، دوسرے گھر بسنے کا انتظام، تیسرے ایسے بزرگ کا ساتھ عاطفت، پچہڑی اور دودو، اور کیا چاہیے تھا، فوراً ہی اِس پیش کش کو قبول کر لیا۔ کہنے لگے:

"یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی۔ اِن دونوں مدتوں میں سے جو بھی مَیں پوری کر دوں اُس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو، اور جو کچھ قول و قرار ہم کر رہے ہیں، اللہ اُس پر نگہبان ہے۔"

بات پکی ہو گئی، موسیٰ علیہ السّلام نے گھر سنبھال لیا اور اُن بزرگ کی خدمت کرنے لگے۔ جب مدت پوری ہو گئی تو نکاح کیا اور اپنا گھر آباد کیا۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ چونکہ موسیٰ علیہ السّلام خود نہایت صاحبِ عزیمت تھے اِس لیے انھوں نے راہِ عزیمت اختیار کرتے ہوئے دس سال کی مدت پوری کی اور اُن بزرگ کی بڑی بیٹی صفورا سے نکاح کیا۔

مُبارک سفرِ واپسی اور عطائے نبوّت

گھربار کو چھوڑے ہوئے دس سال کا عرصہ ہو چکا تھا، اب خود بھی گھر والے ہو گئے تھے، گھر کی یاد کچھ زیادہ ہی ستانے لگی ہوگی۔ والدہ، بہن، بھائی رہ رہ کر یاد آتے ہوں گے۔ اب فکر ہوئی کہ اُن کی بھی خبر لینا چاہیے، پتہ نہیں کس حال میں ہوں گے۔ غرض موسٰی علیہ السّلام نے اپنے خُسر سے مصر جانے کی اجازت طلب کی اور اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر کی طرف چل دیے۔

اب وہ وقت آپہنچا تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ سارے بندوبست فرمائے تھے۔ جس مشن کے لیے موسٰی علیہ السّلام کی پرورش اور حفاظت کی گئی تھی اب اُس مشن کے سپرد کرنے کا وقت آگیا تھا۔ حاملِ نبوّت کے لیے جس تربیت اور سیرۃ کی ضرورت ہوتی ہے وہ اب موسٰیؑ کو مل چکی تھی۔ فرعون کے محل میں پرورش پا کر وہ ضروری علوم سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ جس فریق سے مقابلہ درپیش تھا وہ اُس کے عادات و اطوار، ماحول، مشیروں اور اُن کی ذہنیت سے پوری طرح باخبر ہو چکے تھے۔ اور اس کی جو چالیں اور تدبیریں (Technique) تھیں اُن کو بھی اچھی طرح جان چکے تھے۔ دس سالہ صحرانشینی نے اُس محنت، مشقّت اور صبر کا عادی بنا دیا تھا جو نبوّت کا بارِ عظیم اُٹھانے کے لیے درکار تھی۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اِس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ:

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ (طٰہٰ: ۴۰-۴۱)

"اور (یہ بھی یاد کر کہ) تُو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، ہم نے تجھے اس پھندے سے نکالا اور تجھے مختلف آزمائشوں سے گزارا اور تُو مدین کے لوگوں میں کئی سال ٹھیرا رہا۔ پھر اب ٹھیک وقت پر تُو آ گیا ہے اے موسیٰؑ۔ مَیں نے تجھ کو اپنے کام کا بنا لیا ہے۔"

آگ کی تلاش

سردی کا موسم ہے، موسیٰؑ اپنے اہل کو لیے سنسان راستوں سے گزرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ رات کا وقت آ گیا۔ سردی کچھ زیادہ ہی لگنے لگی ہو گی۔ سوچا کہ اِس بیابان میں جہاں نہ چھت ہے نہ دیوار، رات کیسے گزرے گی۔ اتنے میں دُور سے آگ نظر آئی۔ اپنے اہل سے کہا کہ ذرا ٹھیرو، مَیں آگ لینے جاتا ہوں تاکہ رات تاپ تاپ کر گزار لیں اور سردی سے بچاؤ ہو جائے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ جس آگ کو وہ لینے جا رہے ہیں اس سے اُن کا سینہ منوّر ہونے والا ہے۔

خدا کی دین کا موسےؑ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں، پیمبری مل جائے!

اِس دلچسپ تلاش و دریافت کی روداد قرآن مجید نے یوں بیان فرمائی:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (القصص: ۲۹-۳۰)

"جب موسیٰؑ نے مدت پُوری کر دی اور وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر چلا تو طور کی جانب اُس کو ایک آگ نظر آئی۔ اُس نے اپنے گھر والوں سے

کہا "ٹھہرو، مَیں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید کوئی خبر لے آؤں یا اُس آگ سے کوئی انگارہ ہی اُٹھا لاؤں جس سے تم تاپ سکو" وہاں پہونچا وادی کے داہنے کنارے پر مبارک خطّے میں ایک درخت سے پُکارا گیا کہ "اے موسٰی، مَیں ہی اللہ ہوں، سارے جہان والوں کا مالک"

اِس سرفرازیِ نبوّت اور شرفِ ہمکلامی کی تفصیلات دوسرے مقامات پر یوں آئی ہیں:

عطائے نبوّت اور شرفِ ہمکلامی

إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۔ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ ۝ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۝ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَن لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ۝ (طٰہٰ: ۱۰ تا ۱۶)

"جب کہ اُس نے ایک آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ "ذرا ٹھہرو، مَیں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید کہ تمہارے لیے ایک آدھ انگارا لے آؤں یا اُس آگ پر مجھے (راستے کے متعلق) کوئی رہنمائی مل جائے۔"

وہاں پہنچا تو پُکارا گیا "اے موسٰی! مَیں ہی تیرا رب ہوں، جُوتیاں اُتار دے، تُو وادیٔ مقدّس طوٰی میں ہے۔ اور مَیں نے تجھ کو چُن لیا ہے، سُن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔ مَیں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خُدا نہیں ہے،

پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اُس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کا بندہ بن گیا ہے، تجھ کو اُس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔"

دوسری جگہ اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا:

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (النمل: ۷ تا ۹)

"جب موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ "مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے، میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا کوئی انگارہ چن لاتا ہوں تاکہ تم لوگ گرم ہو سکو۔ وہاں جو پہنچا تو ندا آئی کہ "مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔ پاک ہے اللہ، سب جہان والوں کا پروردگار۔ اے موسیٰؑ، یہ میں ہوں اللہ، زبردست اور دانا۔"

ان آیات سے مجموعی طور پر جو صورت واقعہ سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب موسیٰؑ کو آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھیں اچانک کہیں آگ جلتی نظر آئی۔ سردی کی رات، نہ کوئی بستی نہ آبادی، اچانک آگ پانے سے جو خوشی حاصل ہوئی ہوگی اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں کبھی سردیوں میں کسی جنگل یا صحرا سے گزرنے کا موقع ملا ہو۔ جلدی سے لپک کر گئے ہوں گے کہ اس نعمتِ غیر مترقبہ کو پکڑ کر لاتا ہوں۔ جب قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جھاڑی خود بخود روشن

ہے۔ کوئی آگ جلانے والا بھی آس پاس نہیں۔ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ابھی حیرانی دُور بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اچانک آواز آئی: "مبارک ہے وہ جو اِس آگ میں ہے اور جو اِس کے گرد وپیش میں ہے۔ پاک ہے اللہ، سب جہان والوں کا پروردگار۔ اے موسیٰؑ، یہ مَیں ہوں اللہ، زبردست اور دانا۔"

اب تو اور بھی حیران و مبہوت "کہ آگ لینے آیا تھا، آگ پیدا کرنے والا مِل گیا"۔ اللہ، اللہ، کیا مبارک گھڑی تھی، کیا رفعت کا مقام تھا کہ ایک بندے سے اُس کا آقا و مولا مخاطب ہے۔ وہ حقیقتِ منتظر جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہوں، یوں لباسِ مجاز میں سامنے موجود ہو۔ خوشی میں ڈوبے ہوئے حیران و ششدر کھڑے تھے کہ پھر ندا آئی: "اے موسیٰؑ، تو جوتیاں اُتار دے، تو وادیٔ مقدس طویٰ میں ہے۔ مَیں نے تجھ کو چن لیا ہے، سُن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔"

یوں اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ نہ کوئی پہلے سے اطلاع نہ تقریب، نہ تیاری نہ اعلان، بس اچانک ایک بندے کے سر پر نبوت کا تاج پہنا دیا۔ ایک لمحہ پہلے وہ صرف ایک صحرانورد تھے اب ایک لمحے کے بعد ایک عالم کے رہنما، ہادی و مرشد۔ اللہ تعالیٰ کی سُنّت ہی یہی ہے۔ یہ کوئی کسبی چیز نہیں کہ آدمی کوشش کرے، تیاری کرے اور پھر اِس کو حاصل کرے۔ یہ تو مالک کی دین ہے، جسے چاہے دے اور جب چاہے دے۔ یہی جعلی اور حقیقی نبی کا فرق ہے۔ جعلی نبوت کے دعوے دار منصوبہ بناتے ہیں، ماحول پیدا کرتے ہیں، حواری اکٹھے کرتے ہیں اور پھر تقریبِ نبوت منعقد کرتے ہیں۔ لیکن ایک حقیقی نبی کو نہ اس کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ایک لمحہ قبل اسے معلوم ہی ہوتا ہے بس خدا کا حکم ہوا اور اس کو اچانک نبی بنا دیا گیا۔

اللہ کا پہلا پیغام

اِس کے بعد وہ پیغام دیا جس کے سُننے کے لیے تاکید کی گئی تھی۔ وہ پیغام

کیا تھا، سُنیے

"مَیں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔
پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔
قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ مَیں اس کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں
تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔
پس کوئی شخص جو اُس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کا بندہ بن
گیا ہے تجھ کو اُس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے ورنہ تو ہلاکت میں
پڑ جائے گا۔"

اِس اہم فرمان کے ذریعے پہلے ہی قدم پر کائنات کی حقیقت، خالق و مخلوق کا تعلق، اِس تعلق کو صحیح رُخ پر رکھنے کی تدبیر، زندگی کا مقصد اور لائحہ عمل بتا دیا، تاکہ آئندہ جو بارِ نبوت اُٹھانا تھا اور اُس میں جو مزاحمتیں پیش آنا تھیں اُن کی وجہ سے کسی وقت بھی اصل مقصدِ زندگی اوجھل نہ ہونے پائے۔

سب سے پہلے یہ بتایا کہ یہ کائنات بے خدا نہیں۔ وہ خدا مَیں (اللہ) ہوں۔ اِس کائنات کا انتظام و بندوبست کرنا، اِس کی ہر آن خبر گیری کرنا صرف میرا کام ہے۔ میرے سوا کوئی دوسرا نہیں جو اِس انتظام کو سنبھال سکے یا شریک ہو سکے۔

پھر بتایا کہ انسان کی حیثیت سے تمھارا مقام بندہ بن کر رہنا ہے۔ اپنی مرضی سے کوئی کام کرنے کے مجاز نہیں۔ بندگی یہ ہے کہ آقا و مولا جو حکم دے اُس کی بے چون و چرا اطاعت کی جائے۔ اس راہِ بندگی پر قائم رکھنے کے لیے سب سے ضروری چیز نماز ہے۔ نماز ہی وہ چیز ہے جو بار بار انسان کو اس کا مقامِ بندگی یاد دلاتی رہتی ہے اور اُس کے احساسِ بندگی کو تازہ رکھتی ہے۔ نماز چھوڑ کر کوئی آدمی بندگی کا نہ حق ادا کر سکتا ہے اور نہ اِس راہ پر قائم رہ سکتا ہے۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کسی نہ کسی شکل میں ہر اُمت پر فرض رہی ہے۔ جب نبیوں پر نماز فرض ہے تو پھر کسی نبی کا کوئی اُمتی نماز سے کیسے مستثنیٰ رہ

سکتا ہے۔ نماز چھوڑ کر آدمی شیطان و گمراہ ہو سکتا ہے، ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔

اِس کے بعد بتایا کہ اِس زندگی کا انجام کیا ہے۔ فرمایا کہ اِس زندگی کو ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہے۔ پھر ایک مقررہ دن پر سارے کارنامۂ زندگی کا حساب دینا ہے۔ اُس دن ہر شخص اپنے کیے کا پھل پائے گا۔ دنیا میں خواہ کسی کی رسّی کتنی ہی دراز کیوں نہ کی گئی ہو، وہاں کوئی مُہلت یا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔ اُس حساب کی گھڑی کو اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے تاکہ ایک طرف ایمان نہ لانے والے اپنے حوصلے نکال لیں اور جو کچھ اُنھیں کرنا ہے کر گزریں۔ اور دوسری طرف ایمان لانے والوں کی پرکھ ہو جائے کہ کون بن دیکھے خدا پر ایمان لاتا ہے اور وعدۂ فردا کی اُمید پر اپنے ہاتھ رنگنے سے باز رہتا ہے۔ پھر ہر ایک کو اس کا پُورا پُورا بدلہ دے دیا جائے گا۔

اِس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ بھی فرما دی کہ اِس گھڑی کی یاد سے جو دل خالی رہا وہ راہِ راست پر قائم نہیں رہ سکتا، وہ بالآخر ہلاکت کے گڑھے میں گر کر رہے گا اور ناکام و نامراد ہو گا۔ جس دل میں اندیشۂ فردا رہا اور اپنے نفس کی باگیں کھینچے رہا وہی راہِ راست پر قائم رہے گا اور کامیاب و بامُراد بھی ہو گا۔ یہی بات ہے جو دوسرے مقام پر یُوں ارشاد فرمائی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۝ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ۝

(النّازعات: ۳۷تا ۴۱)

"جس نے سرکشی کی اور دُنیا کی زندگی کو پسند کیا اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکے رکھا، بیشک اُس کا ٹھکانا جنّت ہی ہے۔"

موسٰی علیہ السّلام نبوّت کی ذمہ داریوں سے بالکل ہی ناواقف نہ تھے، آخر نبیوں ہی کی امّت اور اولاد سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ کیسا کانٹوں کا تاج پہنایا جا رہا ہے۔ اگر ایک طرف یہ انسان کی انتہائی رفعت کا مقام تھا تو دوسری طرف شدید ترین آزمائشوں اور امتحانوں کے لاتناہی سلسلے کی ابتدا بھی تھی۔ ابھی اِس منصبِ عظیم پر سرفرازی کی ہیبت اور حیرانگی بھی دُور نہ ہونے پائی تھی کہ بارگاہِ الٰہی سے سوال ہُوا ؛

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ (طٰہٰ : ١٧)

"اور اے موسٰیؑ، یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟"

عطائے معجزات

موسٰیؑ اتنے مبہوت و حیران تھے کہ انھیں یہ ہوش بھی نہ رہا کہ جو ذاتِ اقدس سوال کر رہی ہے وہ علیم و بصیر ہے، اُسے سب کچھ معلوم ہے۔ جو کچھ ہاتھ میں ہے۔ وہ اُس سے پُوری طرح باخبر ہے اور یہ سوال کسی علم یا خبر کو حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ توجہ دلانے کے لیے کیا جا رہا ہے کہ دیکھو تو تمہارے ہاتھ میں ایک بے جان حقیر سی لاٹھی ہے۔ جلدی سے بولے اور اس کے اوصاف بیان کرنے لگے ؛

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ (طٰہٰ : ١٨)

"کہا یہ تو میرا عصا ہے اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتّے جھاڑتا ہوں اور اُور بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں۔"

ذاتِ باری کا ارشاد ہُوا :

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ (طٰہٰ : ١٩)

"فرمایا، اے موسٰیؑ اس کو پھینک دے۔"

تعمیلِ ارشاد میں اس کو زمین پر ڈال دیا۔ اس کا زمین پر ڈالنا تھا کہ عجب ماجرا ہو گیا۔

فَاَلْقٰھَا فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ تَسْعٰی ٥ (طٰہٰ : ۲۰)

"اس کو زمین پر ڈالا کہ وہ اچانک دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا۔"

اب تو موسیٰؑ بڑے گھبرائے کہ یہ کیا ہو گیا۔ فوراً ڈر کے مارے بھاگنا شروع کیا اور مُڑ کر بھی نہ دیکھا کہ میں کہاں کھڑا ہوں، کس ذاتِ اقدس کے حضور میں کھڑا ہوں؟ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ بھولپن اور اُن کی یہ ادا بڑی پسند آئی ہو گی۔ کمال شفقت سے آواز دی، تسلی دی، اطمینان دلایا اور فرمایا:

قَالَ خُذْھَا وَلَا تَخَفْ، سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی ٥ (طٰہٰ : ۲۱)

"فرمایا، اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ہم اس کو اس کی اصلی حالت پر واپس کیے دیتے ہیں۔"

اُنھوں نے ڈرتے ڈرتے اس کو پکڑا تو بڑے حیران ہوئے کہ وہ تو لکڑی کی لکڑی ہی ہے۔ بڑے متحیر بھی ہوتے ہوں گے، محظوظ بھی ہوتے ہوں گے اور شرمندہ بھی۔ ابھی ان ہی جذبات میں گم سُم ہوں گے کہ دوسرا حکم ملا:

وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَۃً اُخْرٰی ٥ لِنُرِیَکَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْکُبْرٰی ٥

(طٰہٰ : ۲۲-۲۳)

"ذرا اپنی بغل میں اپنا ہاتھ دبا، بغیر کسی تکلیف کے چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی ہے۔ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں۔"

یک نہ شد دو شد، ایک تو ڈنڈے کا سانپ بنا دیا پھر ہاتھ کو تابندہ و درخشندہ کر دیا۔ سمجھے کوئی بہت اہم بات ہے جب ہی تو ان کو "نشانیاں"

بتایا جا رہا ہے۔ اب ان کا ذہن پوری طرح متوجہ تھا کہ اس کی کنہ معلوم کریں اور وہ مقصد معلوم کریں جس کے لیے یہ عظیم عنایات کی گئی تھیں۔

موسیٰ علیہ السلام پر ان عنایات، عطائے معجزات اور اس عظیم مشن کی سپرداری پر موسیٰ علیہ السلام کی کیفیت اور ردِ عمل کو دوسرے مقامات پر زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

معجزات عطا کرنے کا مقصد

سورۂ القصص میں فرمایا:

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ
وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ
اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ
تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ
مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَمَلَا۟ئِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ (القصص: ۳۱-۳۲)

"اور حکم دیا گیا کہ پھینک دے اپنی لاٹھی۔ جونہی کہ موسیٰ نے دیکھا کہ وہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ارشاد ہوا "موسیٰ پلٹ آ اور خوف نہ کر، تو بالکل محفوظ ہے۔ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ اور خوف سے بچنے کے لیے اپنا بازو بھینچ لے۔ یہ دو روشن نشانیاں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے، وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔"

دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا:

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى

مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ
لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ
سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ
تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۣ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ (النمل: ۱۰ تا ۱۲)

"اور پھینک تو ذرا اپنی لاٹھی۔ جونہی کہ موسیٰؑ نے دیکھا لاٹھی سانپ کی طرح بَل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مُڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰؑ، ڈرو نہیں۔ میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے، اِلّا یہ کہ کسی نے قصور کیا ہو۔ پھر اگر بُرائی کے بعد اُس نے بھلائی سے اپنے فعل کو بدل لیا تو مَیں معاف کرنے والا مہربان ہوں۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں تو ڈالو۔ چمکتا ہُوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ یہ دو نشانیاں، نَو نشانیوں میں سے ہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف لے جانے کے لیے، وہ بڑے بدکردار لوگ ہیں"۔

اِن آیات سے معلوم ہُوا کہ موسیٰؑ، لاٹھی کی قلبِ ماہیت دیکھ کر سخت دہشت زدہ ہوئے اور خوف سے سرپٹ بھاگنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں فوراً ہی تسلی دی اور دلاسا دیا۔ اُن کا خوف دُور کیا اور اطمینان دلایا کہ یہاں تمھیں کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا نہ کوئی گزند پہنچے گی۔ جس ذاتِ گرامی نے تم پر یہ عظیم ذمہ داری ڈالی ہے وہ تمھیں تنہا نہ چھوڑ دے گی۔ جب بھی ضرورت ہوگی تمھاری مدد کرے گی۔ پھر انھیں ان کا مقام یاد دلایا اور آدابِ حضوری سکھائے۔ انھیں بتایا کہ تم تو اللہ کے رسول ہو جو اللہ کے محبوب اور مقرب بندے ہوتے ہیں، اُن پر تو اللہ کی عنایات کی بارش ہوتی ہے، انھیں ڈرنے کا کیا کام۔ ڈریں تو وہ جو اس کے نافرمان اور راندۂ درگاہ ہوں۔ پھر ان کے اُس عذر کا پیشگی جواب دیدیا جو وہ پیش کرنے والے تھے یعنی اگر بندہ سے کوئی قصور ہوگیا ہو اور وہ توبہ

کرے تو اُس کا رب سزا نہیں دیتا بلکہ معاف کر دیتا ہے۔ اِس طرح انھیں پیشگی ہی اعلانِ معافی مِل گیا اُس قصور کا جس کے بارے میں وہ دل میں ڈر رہے تھے۔ اس کے بعد انھیں بتایا کہ صرف یہ دو ہی نشانیاں تمھیں نہیں دی گئی ہیں بلکہ ان کے علاوہ سات اور نشانیاں دی جائیں گی تاکہ تم وہ کارِ عظیم بے خطر انجام دے سکو جو تمھارے سپُرد کیا جا رہا ہے۔

مِشن پر روانگی کا حکم

اِس تسلّی اور اطمینان دلانے کے بعد انھیں وہ مِشن بتایا جو ان کے سپُرد کیا جا رہا تھا۔ ارشاد ہُوا:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ (طٰہٰ: ۲۴)

"جاؤ، فرعون کی طرف کیونکہ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔"

فرعون کا نام سُنتے ہی موسٰی علیہ السّلام کی نظر میں گزشتہ کئی سالوں کے واقعات گھومنے لگے۔ اُنھیں فرعون کا ظلم و ستم اور جبر و قہر یاد آنے لگا۔ اپنی بے بسی اور تنہائی یاد آنے لگی۔ قبطی کا قتل اور اُن کی گرفتاری کے لیے فرعونیوں کی تگ و دو یاد آئی۔ اپنی قوّتِ بیان کی کمی کا احساس ہُوا۔ فرعون کے شدید جذبۂ انتقام کا خوف پیدا ہُوا۔ اپنے مِشن کی عظیم مشکلات سے دل لرزنے لگا۔ سوچنے لگے کہ جس ظالم کے طغیان کی خود اللہ تعالیٰ گواہی دے رہا ہے اس سے بڑھ کر ظالم و جابر کون ہو گا؟ چنانچہ گڑگڑا کر عرض کرنے لگے۔

دُعائے مُوسٰیؑ

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝
وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ وَاجْعَلْ
لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝
وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ
كَثِيْرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝ (طٰہٰ: ۲۵ تا ۳۵)

"عرض کیا، پروردگار! میرا سینہ کھول دے، اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے، اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں، اور میرے لیے میرے اپنے کنبے سے ایک وزیر مقرر کر دے — ہارونؑ جو میرا بھائی ہے۔ اُس کے ذریعہ سے میرا ہاتھ مضبوط کر اور اُس کو میرے کام میں شریک کر دے تاکہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں اور خوب تیرا چرچا کریں۔ تو ہمیشہ ہمارے حال پر نگراں رہا ہے۔"

یہاں موسیٰ علیہ السّلام نے وہ ساری چیزیں مانگ لیں جو اُن کی دانست میں اس کارِ عظیم کو انجام دینے کے لیے ضروری تھیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ سخی داتا موجود ہے اور مالک بہ کرم ہے، مانگ لوں جو کچھ مانگنا ہے۔ اِس کام کی عظمت، مشکلات اور گرانباری کو وہ خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اس لیے وہ سب کچھ مانگ لیا جو اِس مشن کو پورا کرنے کے لیے اشد ضروری تھا۔ آیئے، دیکھیں موسیٰ علیہ السّلام نے اپنے رب سے کیا مانگا؟

۱۔ سب سے پہلے اُنھوں نے شرحِ صدر کے لیے درخواست کی۔ جب تک کسی شخص کو کسی مقصد اور نصب العین پر شرحِ صدر حاصل نہ ہو وہ اپنی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں صرف نہیں کر سکتا۔ اِسی لیے اُنھوں نے سب سے پہلے سینہ کھولنے کی التجا کی تاکہ اُن کا دل اِس کام پر پوری طرح ٹھک جائے اور وہ یکسو ہو کر اِس کارِ نبوّت کو انجام دے سکیں۔ اور یہ التجا کوئی انوکھی نہ تھی، یہی التجا اُن کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کر چکے تھے کہ:

لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (البقرہ: ۲۶۰)

"تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔"

واقعہ یہ ہے کہ دنیا کا کوئی عظیم کام اُس وقت تک انجام نہیں دیا جا سکتا

جب تک اُس کے بارے میں آدمی کو پُوری طرح اطمینانِ قلب اور شرحِ صدر حاصل نہ ہو جائے۔

۲۔ دوسری بات جو اُنھوں نے عرض کی وہ یہ تھی کہ میرے لیے اِس کام کو آسان کر دے۔ انبیائے سابقین کی سرگذشتیں ان کے سامنے تھیں جن امتحانات سے وہ گزرے تھے اور جن آزمائشوں سے وہ دوچار ہوئے تھے، اُن سب سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ انسانی قوّتوں کی جو محدودیت ہے اُسے بھی بخوبی جانتے تھے، اِس لیے ترنگ میں آکر بیڑہ اُٹھانے کی بجائے اُنھوں نے اپنے رب سے سہولت اور آسانی طلب کی، کیونکہ کوئی انسان یا اِنسانی گروہ، خواہ کتنا ہی طاقتور اور باصلاحیت کیوں نہ ہو، کسی کام کو انجام دے نہیں سکتا جب تک اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و مدد حاصل نہ ہو۔ جب تک اللہ تعالیٰ اس کے لیے اُس راہ کو آسان نہ کر دے، وہ اس پر دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔

۳۔ تیسری گزارش جو اُنھوں نے کی وہ فصاحت و طلاقتِ لسانی کی عطا کے لیے کی۔ زندگی میں زبان کو جو اہمیت حاصل ہے اُس سے کوئی مشکل ہی سے انکار کر سکتا ہے۔ میٹھے بول، دل نشیں دلائل، دل موہنے والا اندازِ گفتگو، حَسین ادبی اسلوب، موزوں فقرے اور الفاظ، ایسے ہتھیار ہیں جو بڑے بڑے گروہوں میں انقلاب پیدا کر دیتے ہیں، اُن کی زندگیوں کا رُخ موڑ دیتے ہیں، اور سامعین و مخاطبین کو ایک نیا ولولہ، ایک نیا عزم اور ایک پختہ یقین عطا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی ہستی جس کے کام کا آغاز ہی خطاب و تبلیغ سے ہوتا ہے، اس سے کیسے بے نیاز رہ سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت موسٰی علیہ السّلام نے اِسی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو پہلے ہی موقعہ پر اور ابتدا ہی میں مانگ لیا۔ یہی وہ نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مالا مال کیا تھا اور جس کے متعلق آپؐ نے

تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا :

انا افصح العرب۔

"میں عرب میں فصیح ترین آدمی ہوں"

۴۔ چوتھی چیز جس کی آپؑ نے درخواست کی تھی وہ یہ تھی کہ اس کام میں کوئی آپ کا مددگار اور معاون ہو۔ آپ کے سپرد جو عظیم کام کیا گیا تھا اس کی مشکلات آپ کے سامنے تھیں۔ جن لوگوں کی طرف آپ کو بھیجا جا رہا تھا ظلم و بربریت میں خونخوار بھیڑیوں سے بھی بازی لے گئے تھے۔ پھر اُن لوگوں کی نظر میں آپ اُن کے قصور وار بھی تھے۔ آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھے اکیلا پاکر قتل نہ کر دیں اور اس کام ہی کا خاتمہ کر دیں جو میرے سپرد کیا گیا ہے۔ اِس لیے آپ نے خواہش ظاہر کی کہ میرے ساتھ ایک ایسا شخص ہو، جو نازک وقت میں مجھے صحیح مشورہ دے سکے، آڑے وقت میں میرا مددگار ثابت ہو سکے اور میری غیر موجودگی میں میرا کام سنبھال سکے اور ضرورت ہو تو مجھ سے بہتر طور پر خطاب کر سکے۔ ان کی نظر میں ایسے موزوں مددگار ان کے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ ہی ہو سکتے تھے۔ ان کی سیرت و کردار، ان کی فصاحت و خطابت، ان کی اصابت رائے سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ پھر وہ خانوادۂ نبوت سے تعلق رکھتے تھے اور ان پر ان کو پوری طرح اعتماد بھی تھا۔

عذراتِ موسیٰؑ

قرآن مجید کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے کچھ اور گزارشات بھی کی تھیں، کچھ عذرات بیان کیے اور کچھ دلائل بھی دیے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ

رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ٥ (القصص ۳۴/۳۳)

"عرض کیا، میرے آقا، مَیں تو اُن کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں، ڈرتا ہوں وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ اور میرا بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ زبان آور ہے اُسے میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج تاکہ وہ میری تائید کرے، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔"

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ٥ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ٥ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ٥ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ٥ (الشعراء: ۱۰ تا ۱۴)

"اور انھیں اُس وقت کا قصہ سناؤ جبکہ تمھارے رب نے موسٰیؑ کو پکارا، ظالم قوم کے پاس جا ۔۔۔ فرعون کی قوم کے پاس ۔۔۔ کیا وہ نہیں ڈرتے؟ اُس نے عرض کیا "اے میرے رب، مجھے خوف ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلا دیں گے۔ میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔ آپ ہارونؑ کی طرف رسالت بھیجیں۔ اور مجھ پر اُن کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے، اِس لیے مَیں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسٰی علیہ السلام نے پروانۂ تقرری ملتے ہی وہ سب اندیشے اور کمزوریاں جنھیں وہ سمجھتے تھے کہ اس کارِ عظیم کو انجام دینے میں حائل ہوں گی، بیان کر کے امدادِ ربّی کی درخواست کی۔

وہ اندیشے کیا تھے؟

پہلا اندیشہ تو یہ تھا کہ فرعون اور اس کی قوم کی نظر میں مَیں ایک مجرم ہوں۔ بات سُننے سے پہلے ہی وہ انتقام لینے پر اُتر آئیں گے اور اُس قتل کے الزام میں، جو سہوًا مجھ سے ہو گیا تھا، فوراً ہی قتل کر دیں گے۔

پھر چونکہ وہ ایک نہایت ہی ظالم اور سفّاک قوم ہے، جس نے عرصے سے قتل وخون کا بازار گرم کر رکھا ہے اور میری قوم کے ہزار ہا نونہالوں کو قتل کر چکی ہے، مجھے اکیلے کو کب خاطر میں لائے گی، منہ سے بات نکالتے ہی جھٹلانے پر اُتر آئے گی۔ بھلا جس قوم کا تعارف رب العالمین "ظالم قوم" کہہ کر کرا رہا ہو، اُس سے بڑھ کر کوئی ظالم ہو سکتا ہے؟

پھر اتنا ہی نہیں، میرے پاس تو وہ جادو بیاں خطابت بھی نہیں جو اُن کی برہمی اور تکذیب کا رُخ موڑ دے۔ اِس لیے پروردگار یا تو میرے بھائی ہارونؑ ہی کو رسالت سے نواز، یا اگر یہ نہیں تو کم از کم میرے بھائی ہارونؑ کو مددگار رسول بنا دے تاکہ جب وہ ظالم قوم تکذیب کرے تو کوئی تو میرا پشتیبان ہو اور میرے پیغام کی تائید و تصدیق کرے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلے ایسے کچے نہیں ہوتے کہ اُن میں کچھ خامیاں ہوں اور جلد جلد بدل جایا کریں۔ اس کے فیصلے نہایت حکیمانہ، سوچے سمجھے اور پختہ ہوتے ہیں۔ اُسے تو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ کیا کچھ پیش آنے والا ہے اور اُن سب کا اس نے پہلے ہی بندوبست کر رکھا تھا۔

قبولیّتِ دُعا

موسیٰ علیہ السّلام کا حوصلہ بلند رکھنے کے لیے اور ان کو تمام اندیشوں اور وسوسوں سے پاک کرنے کے لیے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطا کیا:

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَٰمُوسَىٰ ۝ (طٰہٰ: ۳۶)

"فرمایا، دیا گیا جو کچھ تو نے مانگا، اے موسیٰؑ۔"

یعنی تمہارے بھائی ہارونؑ کو رسولِ مددگار بنایا، طلاقتِ لسانی دی اور شرحِ صدر عطا کیا۔ اِس ساری رُوداد کو سمیٹ کر چند جملوں میں یُوں بیان فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَٰبِ مُوسَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ مُخْلَصًا وَّ

كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ (مریم: ۵۱ تا ۵۳)

"اور ذکر کرو اس کتاب میں موسیٰؑ کا۔ وہ ایک چیدہ شخص تھا اور رسول ہی تھا۔ ہم نے اُس کو طور کی داہنی جانب سے پکارا اور راز کی گفتگو سے اس کو تقرب عطا کیا، اور اپنی مہربانی سے اس کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر اُسے (مددگار کے طور پر) دیا۔"

اور محض اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا:

ہارون علیہ السلام کی نبوت پر سرفرازی

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝ (القصص: ۳۵)

"فرمایا، ہم تیرے بھائی کے ذریعہ سے تیرا ہاتھ مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو ایسی سطوت بخشیں گے کہ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، ہماری نشانیوں کے زور سے غلبہ تمہارا اور تمہارے پیروؤں کا ہی ہوگا۔"

یعنی اگر تمھیں یہ اندیشہ ہے کہ وہ تمھیں جھٹلائیں گے اور تمھیں قتل کر دیں گے تو ہم تمھیں پہلے ہی سے یہ بتائے دیتے ہیں کہ ہم تمھیں وہ رعب و دبدبہ اور سطوت دیں گے کہ انھیں اس کی ہمت ہی نہ پڑے گی کہ تمھارا کچھ بگاڑ سکیں اور اس پر مزید یہ بشارت دیتے ہیں کہ لوگ تمھاری بات سنیں گے، قبول کریں گے، پیروی کریں گے اور تم اور تمہارے پیرو ہی آخر کار غالب ہوں گے۔

اپنی عنایات اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا دوسرے مقام پر یوں ذکر فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ (الفرقان : ۳۵-۳۶)

"ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اُس کے ساتھ اُس کے بھائی ہارونؑ کو مددگار کے طور پر لگایا اور اُن سے کہا کہ جاؤ اُس قوم کی طرف جس نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے۔ آخر کار اُن لوگوں کو ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا۔"

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ قانون اور قاعدہ بیان کر دیا ہے جو اُس نے اپنے اُن بندوں کے لیے مقرر کیا ہے جنھیں [redacted] اپنے دین کی خدمت کے لیے چن لیتا ہے۔ اس کا حکم سُن کر جب وہ اس کی اطاعت و بجا آوری پر کمربستہ ہو جاتے ہیں تو پھر ان کو وہ تنہا نہیں چھوڑ دیتا۔ مخالفوں اور دشمنوں سے ان کی محافظت فرماتا ہے، ان کے شر سے انھیں بچاتا ہے اور انھیں وہ رُعب اور دبدبہ عطا فرماتا ہے کہ دشمنانِ دین خود ہر دم لرزہ براندام رہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اُن تمام لوگوں کو جو اُس کا پیغام پہونچاتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ وہ اور ان کے ساتھی اپنے دشمنوں پر بالآخر غالب ہو کر رہیں گے۔ اِس ہی بات کو دوسرے مقامات پر یوں بیان فرمایا ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ (المجادلہ : ۲۱)

"اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ وہ اور اُس کے رسول ضرور غالب ہوں گے۔"

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

(الصّٰفّٰت : ۱۷۱ تا ۱۷۳)

"اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔"

روانگی پر ہدایات

اب موقعہ آگیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو واضح طور پر اُن کا مشن بتا دیا جائے، اِس کے لیے اُنھیں ضروری سازوسامان سے مسلح کر دیا جائے، اس کام کو سرانجام دینے کے لیے ضروری ہدایات دے دی جائیں، اِس کام کا انجام اُنھیں بتا دیا جائے اور ان سب سے بڑھ کر انھیں اپنی معیّت اور نصرت کا یقین دلا دیا جائے۔

اِس مِشن کی طرف ایک ہلکا اشارہ تو انھیں پہلے ہی کیا جا چکا تھا جس کا ذکر متذکرہ بالا آیات میں آچکا ہے، اب تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔

فرمایا:

(۱) اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝

(النّٰزعات: ۱۶ تا ۲۰)

"یاد کرو وہ وقت جب موسیٰؑ کو اُس کے رب نے طوٰی کی مقدّس وادی میں پکارا، فرعون کی طرف جا کیونکہ وہ حدِ بندگی سے گزر گیا ہے۔ اور اُس سے کہو، کیا تُو اس کے لیے تیار ہے کہ سُدھر جائے اور میں تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تاکہ تُو اُس سے ڈرے؟ پس اُس کو بڑی نشانی دکھائی۔"

(۲) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝

(یونس: ۷۵)

"پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، مگر اُنھوں نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔"

(۳) ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ

مُّبِيۡنٍ ۝ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا عَالِيۡنَ ۝ (المومنون : ۴۵-۴۶)

"پھر ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی ہارونؑ کو اپنی نشانیاں اور کھلی سند کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا۔ مگر انھوں نے تکبر کیا اور بڑے دُون کی لی۔"

(۴) وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (زخرف : ۴۶)

"ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کے پاس بھیجا، اور اس نے جاکر کہا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔"

(۵) ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوۡا بِهَا‌ ۚ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝ (الاعراف : ۱۰۳)

"پھر ان قوموں کے بعد (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر انھوں نے بھی ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا، پس دیکھو کہ ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔"

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کی نفسیاتی کیفیت کا تجزیہ کیا ہے اور ہدایت کے ردّ و قبول کے بارے میں چند اہم اصول بیان فرمائے:

(۱) جو قوم گھمنڈ اور غرور میں مبتلا ہو جائے اور جس کا قومی کردار جرم و نافرمانی بن جائے وہ قوم کبھی ہدایت قبول نہیں کرتی۔

(۲) جو قوم شیخی خور ہو اور زمین میں بلند مرتبہ اور طاقتور ہو وہ اپنے زعم میں کسی داعیٔ حق کو خاطر میں نہیں لاتی اور اس کے سامنے راہِ ہدایت کتنے

ہی دلائل سے واضح کیوں نہ کی جائے وہ کبھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

(۳) جس قوم کا طرۂ امتیاز فساد کرنا اور پھیلانا ہو وہ اصلاح کو کبھی قبول نہیں کرتی ہے اور ہر اصلاحی کوشش کے مقابل ایک نیا فساد کھڑا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

(۶) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ (ابراہیم: ۵)

"ہم اِس سے پہلے موسیٰؑ کو بھی اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیج چکے ہیں۔ اسے بھی ہم نے حکم دیا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لا اور انھیں تاریخ الٰہی کے سبق آموز واقعات سُنا کر نصیحت کر، اِن واقعات میں بڑی نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہے۔"

(۷) وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ
بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝
قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝
قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ
اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا
تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ
عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ
عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ (طٰہٰ: ۴۱ تا ۴۸)

"اے موسیٰؑ، مَیں نے تجھ کو اپنے کام کا بنا لیا ہے۔ جا، تُو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ۔ اور دیکھو تم میری یاد میں تقصیر نہ کرنا۔

جاؤ فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔ دونوں نے عرض کیا: "پروردگار، ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا پل پڑے گا۔" فرمایا: "ڈرو مت، میں تمہارے ساتھ ہوں، سب کچھ سُن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ جاؤ اس کے پاس اور کہو کہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں، بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے چھوڑ دے اور اُن کو تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں۔ اور سلامتی ہے اس کے لیے جو راہ راست کی پیروی کرے۔ ہم کو وحی سے بتایا گیا ہے کہ عذاب ہے اس کے لیے جو جھٹلائے اور منہ موڑے۔"

(۸) قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (الشعراء: ۱۵ تا ۱۷)

"فرمایا: "ہرگز نہیں، تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر، ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سُنتے رہیں گے۔ فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو، ہم کو رب العالمین نے اس لیے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔"

(۹) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ (بنی اسرائیل: ۱۰۱)

"ہم نے موسیٰؑ کو نو نشانیاں عطا کی تھیں جو صریح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔"

سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کے کرتوتوں اور کردار سے آگاہ کیا۔ انھیں بتایا کہ وہ نہایت سرکش اور باغی قسم کا انسان ہے (النازعات: ۱۵، طٰہٰ: ۴۳-۴۴)۔ اس کے سردار پرلے درجے کے ظالموں کا ٹولہ ہیں۔ سخت مغرور، گھمنڈی اور شیخی خورے لوگ ہیں۔ ظلم و ستم، ان کا شیوہ

ہے۔ ان کے ظلم و استکبار نے انھیں عادی مجرم بنا دیا ہے۔ قتل و غارتگری اور جرم و فساد ان کی سرشت میں داخل ہو چکا ہے۔

اس کے بعد انھیں ان کا مشن اور مقام بتایا۔ اور جس دعوت کا انھیں علمبردار بنایا گیا تھا اس کا تعارف اور بنیادی نکات بتائے۔ فرمایا کہ تم رب العالمین کے رسول ہو۔ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جاکر پہلے اپنی رسالت کو قبول کرنے کی دعوت دینا اور اپنی اطاعت کی طرف بُلانا۔

دوسری بات یہ کہ تمھیں اس مظلوم قوم ـــ بنی اسرائیل ـــ کا نجات دہندہ بنا کر بھیجا جا رہا ہے۔ ایک طرف بنی اسرائیل کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے، اُن کی خامیوں کو دُور کرنا، اُن کی سیرتوں کو سُدھارنا اور اُن کو فرمانبردار، مومن و مسلم بنانا ہے تو دوسری طرف انھیں فرعون کے پنجۂ ظلم و ستم سے رہائی دلانا ہے۔ اس لیے فرعون کو اپنی رسالت کا پیغام دینے کے ساتھ ساتھ، اُس سے بنی اسرائیل کی رہائی اور آزادی کا بھی مطالبہ کرنا ہے۔

حکمتِ تبلیغ

کام کرنے کی حکمت سمجھاتے ہوئے بتایا کہ فرعون کے تمرّد، سرکشی اور اشتعال انگیزیوں کے باوجود، اس سے نرم گفتگو کرنا اور سخت بات نہ کرنا۔ سخت بات چاہے جتنی حق کیوں نہ ہو، اپنی اثر انگیزی کھو دیتی ہے اور مخاطب کو ضد، ہٹ دھرمی اور اندھی مخالفت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ موسٰی علیہ السّلام کو یہ ہدایت دینا اس لیے اور بھی ضروری تھی کہ آپ طبعاً کچھ گرم مزاج اور سخت غیور واقع ہوئے تھے۔ فرعون خود نہایت غضب ناک آدمی تھا، اگر اُس کو ترکی بہ ترکی جواب دیا جاتا تو اس کے دل کے تمام دروازے بند ہو جانے کا امکان تھا۔ پھر بتایا کہ اُسے خدا سے ڈراؤ اور نافرمانی کے انجام بد سے خبردار کرو۔ اگر تم سے وہ تمھاری نبوت کا ثبوت طلب کرے تو وہ نشانیاں دکھاؤ جو ہم تمھیں دے رہے ہیں۔

تسلی و بشارت

پھر موسیٰ علیہ السلام کے خوف کو دُور کرتے ہوئے اور ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم کو اکیلا نہیں چھوڑا جائے گا کہ تم جانو اور فرعون جانے۔ بلکہ تم ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے رہو گے اور تمھاری ہر پکار سنی جائے گی اور جب بھی ضرورت ہوگی تمھاری مدد کی جائے گی۔ اس کے شر اور اس کی سازشوں سے تمھیں محفوظ رکھا جائے گا۔ فوری امداد کے طور پر تمھیں یہ دو معجزات عصا اور یدِ بیضاء عطا کیے جاتے ہیں، ان کے علاوہ سات اور نشانیاں بھی دی جائیں گی جن سے بوقتِ ضرورت تم اپنا دفاع بھی کر سکو گے اور فرعون کا مقابلہ بھی۔

گو یہاں تسلی و تشفی تو موسیٰ علیہ السلام ہی کو دی جا رہی اور انھیں اپنی امداد و نصرت کا یقین دلایا جا رہا تھا، لیکن دراصل یہ بشارات ان تمام ہی مومنین کے لیے ہیں جو اس راستے پر چلنا چاہتے ہیں یا چل رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے پردے میں یہاں مومنین کو بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اپنے ماحول میں یکہ و تنہا تھے اور مخالفین بے انتہا زور آور، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی نصرت و تائید سے نوازا اور بالآخر ان کو کامیاب کیا، اُسی طرح تم بھی اپنی بے سروسامانی کے باوجود غالب ہو گے اور قدم قدم پر تمھیں تائید و نصرتِ الٰہی حاصل رہے گی۔

غرض اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اُن کا مقام پوری طرح بتا کر، ان کی دعوت اچھی طرح سمجھا کر، ان کے مشن کی نوعیت اور اس کا انجام واضح کر کے اِس بشارت کے ساتھ کہ:

اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ○ (القصص: ۳۵)

"تم اور تمھارے متبعین ہی غالب رہیں گے۔"

فرعون اور اُس کی قوم کی طرف روانہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل کو لے کر، اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کی بشارتوں سے سرشار ہو کر، اپنے وطن —— وہ وطن جس میں ایک ظالم و جابر فرمانروا تختِ اقتدار

پر متمکن تھا اور جس کی پشت پر مجرموں، بدکرداروں اور شقی القلب سرداروں کا ٹولہ اور پوری قوم تھی ـــــ مصر پہونچے۔ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السّلام اور اہلِ خاندان سے ملے اور اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو ساتھ لے کر فرعون مصر کے دربار میں بیدھڑک چلے گئے۔ کچھ دن پہلے وہ اِس بات سے خوفزدہ تھے کہ کہیں وہ انتقام پر نہ اُتر آئے اور ان کو قتل کرنے کے درپے نہ ہو جائے۔ لیکن جب حق ان کے ہاتھ آیا اور وہ دعوتِ حق کے علمبردار بنے تو فرعون کا سارا جاہ و حشم اُن کی نظر میں ہیچ ہو گیا اور ہر خوف اور ڈر سے بے نیاز ہو کر فرعون کے بھرے دربار میں اپنی دعوت پیش کی۔ واقعی حق ہے ہی ایسی طاقت، جو بے نواؤں کو شہنشاہوں سے لڑا دیتی ہے اور ان کا سارا کر و فر نگاہوں میں بے وقعت کر دیتی ہے۔ مولانا محمد علی جوہر نے اِس کیفیت کو کس خوبی سے بیان کیا ہے:

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے، اگر ایک خدا میرے لیے ہے

فرعون کے دربار میں

اعلانِ رسالت اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت پر سرفراز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے مشن کے دو نکات کو خاص طور پر واضح فرمایا تھا۔

۱۔ اعلانِ رسالت

۲۔ بنی اسرائیل کی حوالگی کا مطالبہ۔

ارشاد ہوا:۔

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ ۝ (الشعراء: ۱۶-۱۷)

"فرعون کے پاس دونوں جاؤ اور اُس سے کہو:

(۱) ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔

(۲) تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔"

چنانچہ اِس ہی حکم کی تعمیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو لے کر بے دھڑک فرعون کے دربار میں پہونچے اور کہا:

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ إِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
حَقِيْقٌ عَلٰٓى أَنْ لَّآ أَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ط قَدْ جِئْتُكُمْ
بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ ۝

(الاعراف: ۱۰۴-۱۰۵)

"موسیٰؑ نے کہا "اے فرعون، میں مالکِ کائنات کی طرف سے رسول

مقرر کیا گیا ہوں۔ میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں، میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں، لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔"

موسیٰ علیہ السلام کا یہ اعلان و مطالبہ اس ہدایت کی تعمیل میں تھا جو آپ کو نبوت پر سرفراز کرتے ہوئے ملی تھی۔ ملاحظہ ہو، سورۂ طٰہٰ: ۴۷-۴۸، سورۃ البقرہ: ۱۶-۱۷، سورۂ الزخرف: ۴۶، سورہ النازعات: ۱۵ تا ۲۰، سورہ الاعراف: ۱۰۳ تا ۱۰۵۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس دعوت کی تفصیل سورۂ "الدخان" میں یوں بیان کی گئی ہے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

(آیات: ۱۷-۱۸-۱۹)

"ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو اِسی آزمائش میں ڈال چکے ہیں۔ اُن کے پاس ایک نہایت شریف رسول آیا اور اُس سے کہا "اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو، میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے سامنے (اپنی ماموریت کی) صریح سند پیش کرتا ہوں۔"

سورۂ طٰہٰ میں اس کے کچھ دوسرے پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ فرمایا:

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ (آیات: ۴۷-۴۸)

"تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں، بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے چھوڑ دے اور اُن کو نہ ستا۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اُس کے لیے جو راہِ راست کی پیروی کرے۔ ہم کو وحی کی گئی ہے کہ عذاب ہے اس کے لیے جو جھٹلائے اور رُوگردانی کرے۔"

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے بھائی کی بھی نبوت کا اعلان کیا۔

پہلے اسے راہِ راست پر آنے کی دعوت دی اور یہ بشارت دی کہ اگر وہ اِس دعوت کو قبول کرے گا تو اس کے لیے سلامتی ہے۔

پھر اُسے خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ پر سرکشی نہ کر اور اُس کے پیغام کو قبول کرنے سے مُنہ نہ موڑ کیونکہ ہمیں بذریعہ وحی اُن لوگوں کا انجام بتادیا گیا ہے جو اِس دعوت کو رَد کریں گے اور اُس سے مُنہ موڑیں گے۔ وہ انجام یہ ہے کہ اُن پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ اِس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

یہ اعلان جو فرعون کے بھرے دربار میں کیا گیا تھا، غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ اعلانِ رسالت کا مطلب یہ تھا، اقتدارِ اعلیٰ حقیقی طور پر اللہ، رب العالمین کا ہے۔ میں (موسیٰؑ) چونکہ اُس اقتدارِ اعلیٰ کا مُستند نمائندہ ہوں اس لیے اللہ کے بندوں پر یہ میرا حق ہے کہ وہ میری پیروی کریں، میرے بتائے ہوئے راستے پر چلیں، صحیح وہ ہے جو مَیں کہتا ہوں اور وہ سب باطل ہے جو میرے سوا کسی دوسرے ذریعے سے آئے۔ فرعون کا یہ دعویٰ کہ وہ خدائی صفات کا مظہر ہے آپ سے آپ باطل ہو جاتا ہے اور فرعون کا وہ مقام جو اُس نے اپنے لیے خود اختیار کیا ہے، کالعدم قرار پا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کی حوالگی کے مطالبہ کا مطلب یہ تھا کہ:

(۱) بنی اسرائیل چونکہ پہلے سے ایک "مسلمان" قوم تھی اِس لیے اِس کی نجات

کا بندوبست کرنا، اس کی اصلاح کا انتظام کرنا، اللہ کے نبی کی پہلی ذمہ داری ہے۔

(۲) اِس کا سیاسی پہلو یہ تھا کہ فرعون کے زیرِ اقتدار لوگوں میں سے ایک اچھی خاصی تعداد پر سے اس کا اقتدار فوری طور پر ختم ہو جاتا تھا۔

(۳) موسیٰ علیہ السّلام کے اِس مطالبے کو ماننے کا نتیجہ یہ بھی نکلتا تھا کہ فرعون کی ہیبت، اس کے رُعب و دبدبے اور اقتدار کا جنازہ آپ سے آپ نکل جاتا تھا۔ بنی اسرائیل کی اتنی بڑی قوم کا فرعون کے اقتدار سے بلامزاحمت نکل جانا، دوسرے مظلوم گروہوں کے لیے دعوتِ آزادی تھا کہ وہ بھی فرعون سے نجات پانے کے لیے جدوجہد کریں۔

فرعون کو پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ پھر اُن کے اس بے باکانہ طرزِ گفتگو پر بڑا تعجب ہوا۔ وہ اُن کی اِس ہمت و جرأت سے اندر ہی اندر مرعوب ہو گیا۔ پھر یہ سوچ کر کہ میرا وقار کہیں ختم نہ ہو جائے، موسیٰ علیہ السّلام کو طرح دینے اور بات کو ٹالنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر موسیٰ علیہ السّلام کو اُن کے گزشتہ واقعات یاد دلا کر انھیں اپنا ممنونِ احسان بنانے اور مرعوب کرنے اور دوسری طرف اپنے سرداروں اور حواریوں کو یہ تاثر دینے کی سعیٔ ناکام کرنے لگا کہ اِس نَووارد کی باتوں کا میں نے کوئی نوٹس نہیں لیا ہے۔ چنانچہ اُس نے کہا:

فرعون کا احسان جتانا

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (الشعراء: ۱۸-۱۹)

"فرعون نے کہا "کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ تُو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے اور اُس کے بعد کر گیا جو کچھ کہ کر گیا، تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے۔"

یہاں یہ بات واضح رہے کہ موسٰی علیہ السلام کا یہ مکالمہ جس شخص سے ہوا وہ دوسرا شخص تھا اور جس نے پالا تھا وہ دوسرا شخص تھا۔ اُس زمانے میں فرمانروایانِ مصر کا لقب 'فرعون' تھا جس کے معنی ہیں 'سورج دیوتا کی اولاد'۔ پہلا فرعون جس نے موسٰی علیہ السّلام کو پالا تھا اس کا نام رعمسیس دوم تھا اور یہ فرعون جس سے اس وقت موسٰی علیہ السّلام گفتگو فرما رہے تھے، اس کا بیٹا 'منفتہ یا منفتاح' فرعون تھا۔

مذکورہ بالا چند فقروں میں فرعون نے یہاں موسٰی علیہ السّلام کو مرعوب و ممنونِ احسان کرنے کی کوشش کی وہیں اُس نے اُن کی اخلاقی حیثیت پر یہ کہہ کر کہ "تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے" ضرب لگانے کی کوشش کی۔ اُس نے سامعین کو پہلے ہی قدم پر اُن سے بدظن کرنے کی کوشش کی کہ ایسے شخص کی کوئی بات سُننے کے قابل ہی نہیں جو اپنے محسن کے احسانات بھُلا کر خود اُسے نصیحت کرنے اور اپنا تابعِ فرمان بنانے کا دعویٰ کرنے لگے۔

مکالمۂ فرعون و موسٰی علیہ السّلام

چنانچہ موسٰی علیہ السّلام نے اُس کی باتوں کے تمام مضمرات کو سمجھ کر فوراً ہی اس کی بات اس ہی کے مُنہ پر دے ماری۔ جواب میں آپ نے فرمایا:

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ○ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِىْ رَبِّىْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ (الشعراء: ۲۰ تا ۲۲)

"کہا، اُس وقت وہ کام مَیں نے نادانستگی میں کر دیا تھا۔ پھر مَیں تمھارے خوف سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں شامل فرمالیا۔ رہا تیرا احسان جو تُو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تُو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا۔"

یہاں نبی اور عام انسانوں کے درمیان جو فرق ہوتا ہے نمایاں نظر آتا ہے۔ اگر اِس موقع پر موسیٰ علیہ السّلام کی بجائے کوئی عام انسان ہوتا تو وہ اپنی غیر موجودگی کی سو تاویلات کرتا، بلکہ اُلٹی ڈینگیں مارتا کہ مَیں فلاں اور فلاں مہم پر گیا تھا اور پھر اپنی خطا کو چھُپانے کے لیے سو بہانے بناتا۔ لیکن موسیٰ علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، حق کے علمبردار تھے، اگر وہ حق بیان نہ کرتے تو کون کرتا؟ انھوں نے صاف طور پر اپنی خطا کا اقرار کیا اور بتایا کہ مجھ سے قتل نادانستگی میں بغیر کسی نیّت اور ارا کے خطاءً ہو گیا اور مَیں تمھارے خوفِ انتقام کی وجہ سے ملک چھوڑ کر چلا گیا۔ اُس کے بعد انھوں نے پھر ایک مرتبہ اپنی موجودہ حیثیت کو پیش کیا کہ اب مَیں اپنے رب کی طرف سے رسول مقرر کیا گیا ہوں جس کا کام ہی لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانا اور رہنمائی کرنا ہے۔ پھر اس کے احسان جتانے کا بھرپور جواب دیا۔ آپ نے بتایا کہ تُو میری پرورش کا احسان جتاتا ہے حالانکہ تُو نے کبھی یہ بھی غور کیا کہ نوبت یہاں تک پہنچی کیسے۔ تیرے باپ دادا نے میری قوم پر ظلم ڈھا کر اس کو غلام بنا لیا اور پھر ان کی نسل کشی کی کہ اولادِ نرینہ کو باقی ہی نہ رہنے دیتا تھا۔ اگر تُو اور تیری قوم یہ ظلم و فساد برپا نہ کرتی تو مجھے تیرے یہاں آنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ میرا خاندان اِس قابل تھا کہ وہ میری پرورش کر سکتا۔ یہ تیرے ظلم ہی کا خوف تھا کہ مجھے دریا میں بہایا گیا اور اِس طرح تیرے گھر میں پہونچنے کا سامان ہوا۔

فرعون نے جب یہ جواب سُنا تو سوچا یہاں تو لینے کے دینے پڑ گئے، میرے اور میرے باپ دادا کے مظالم کے پول یوں بر سرِ عام کھُلے جاتے ہیں تو اُس نے فوراً ہی پینترا بدلا اور بات کو دوسرے رُخ پر ڈالنے کی کوشش کی۔ بولا:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۳)

"فرعون بولا" اور یہ ربّ العالمین کیا ہوتا ہے؟

دوسری جگہ اِس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ (طٰہٰ: ۴۹)

"فرعون نے کہا "اچھا، تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے اے موسٰیؑ؟"

یہ بات کہہ کر فرعون نے موسٰی علیہ السلام کے اِس دعوے کو چیلنج کیا کہ "ہم رب العالمین کے رسول ہیں" اُس نے کہا کہ تمھاری رسالت کی بات تو بعد میں ہوگی پہلے یہ تو بتاؤ کہ وہ رب العالمین ہے کیا اور کون ہے؟

اس کا یہ سوال کسی طلبِ علم کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ اُس ذہنیت کا غماز تھا جس میں ہمیشہ سے مشرکین و جاہلین عموماً اور خدا سے باغی و سرکش فرماں روا خصوصاً مبتلا رہے ہیں۔

اگر موسٰی علیہ السلام کی دعوت صرف اتنی ہوتی کہ بھئی یہاں ایک خدا ہے اس کی کچھ پوجا پاٹ کر لو اور اُس کے آگے نذر و نیاز پیش کر دیا کرو تو شاید اُس کو کچھ زیادہ ناگوار نہ ہوتا۔ ان لوگوں کا خدا کے متعلق یہ تصور ہوتا ہے کہ کچھ مذہبی مراسم ادا کر لیے جائیں اور کچھ حمد و ثناء کر لی جائے اور بس، اس سے زیادہ اس کا نہ کوئی حق ہے اور نہ مقام۔ اپنی دنیوی زندگی اور اس کے معاملات میں، انتظامِ ملکی اور سیاسیات میں اِس خدا کو نہ دخل دینے کی ضرورت ہے اور نہ ہم دخل دینے دیں گے۔ ہم اپنے معاملات جیسے چاہیں چلائیں، ہم پر پابندی لگانے والا کون!

لیکن انبیاء علیہم السلام کی دعوت ہمیشہ سے بنیادی طور پر یہ ہی رہی ہے کہ اُن کا خدا کوئی خیالی، فرضی، معذور و مجبور ہستی نہیں بلکہ اِس دنیا کا وہ حقیقی فرمانروا ہے اور اس ہی کا یہ حق ہے کہ اِس کائنات میں اس کا حکم چلے۔ اُس ذات کے سوا جتنے بھی بزعم خود فرماں روا ہیں وہ بھی اُسی ہی کی رعیت ہیں۔ لہٰذا ایک رعیت کی حیثیت سے انھیں ایک فرماں بردار بندے کی طرح رہنا چاہیے اور زندگی کے ہر گوشہ میں اُس حقیقی بادشاہ کی اطاعت ہونا چاہیے جس نے اِس ساری کائنات اور اِن مدعیانِ حکمرانی کو بھی پیدا کیا ہے اور وجود بخشا ہے۔ اِس ہی لیے تمام انبیاءؑ نے ایک ہی دعوت پیش کی کہ:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف: ۵۹)

"اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔"

اور

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعراء : ۱۰۸)

"اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"

یہ مطالبۂ اطاعت ہی وہ چیز ہے جسے مشرکین اور بے لگام برسرِ اقتدار طبقہ کسی صورت میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

اگر بات مجمل رہتی تو شاید فرعون اسے نظر انداز کر دیتا یا اُسے مختلف مناظروں اور مباحثوں میں اُلجھانے کی کوشش کرتا۔ لیکن یہاں تو غضب یہ ہوا کہ نہ صرف اُس کے اقتدارِ مطلق کو چیلنج کیا گیا بلکہ ساتھ ساتھ یہ مطالبہ بھی کر دیا گیا کہ بنی اسرائیل کو میرے حوالہ کرو۔ یہ ایک صریح سیاسی مطالبہ تھا جو اس کی سیاسی حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ کے لیے کُھلا چیلنج تھا۔ اس کو تو وہ کسی قیمت برداشت کرنے کے لیے تیار ہی نہ تھا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے موسٰی علیہ السلام کے اِس دعوے کو لیا کہ "میں رسولِ ربّ العالمین ہوں" اور اس کی بنیاد 'ربّ العالمین' کے تصوّر اور حیثیت کو چیلنج کیا۔

موسٰی علیہ السلام نے نہایت دل نشین اور بلیغانہ انداز میں فرمایا :

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ (الشعراء : ۲۴)

"جواب دیا "آسمانوں اور زمین کا رب اور ان سب چیزوں کا رب جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اگر تم یقین لانے والے ہو۔"

پھر فرمایا :

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (طٰہٰ : ۵۰)

"ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی، پھر

اس کو راستہ بتایا۔"

اِس مختصر اور حکیمانہ جواب میں موسٰی علیہ السّلام نے صرف یہی نہیں بتایا کہ ان کا رب کون ہے بلکہ یہ بھی بتایا کہ وہ کیوں ہے اور کس لیے ہے؟ ایک مختصر جملہ میں اس ذاتِ پاک کا تعارف، اس کی صفات کا جامع تصوّر اور اُس کے احکام کی عملداری کا مختصر اشارہ پیش کر دیا۔

انھوں نے بتایا کہ میرا رب وہ ہے جو اس زمین اور آسمانوں کا اور ان کے اندر جتنی بھی مخلوقات ہیں ان سب کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے۔ میرا رب وہ نہیں جس کو کسی دوسرے نے پیدا کیا ہو اور کسی دوسرے کے بنانے سے رب بن بیٹھا ہو۔ بلکہ وہ خود اپنی ذات اور اپنی قوت کے بل پر رب ہے اُس نے نہ صرف تجھے بلکہ تجھ جیسے کتنے ہی مدعیانِ ربوبیت کو پیدا کیا ہے، جو دوسروں کے بل پر اپنی ربوبیت کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ اگر تم واقعی خدا کو مانتے ہو تو پھر اس کے رب ہونے پر یقین کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہیے۔ پھر نہ صرف یہ کہ اُس نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا بلکہ اس کو ضرورت کی ہر چیز جس کی اُس کی ساخت متقاضی تھی، عطا کی۔ پرندے کو اُڑنے کے لیے پَر، مچھلی کو تیرنے کے لیے پانی، انسان کو چلنے پھرنے کے لیے ہاتھ پاؤں اور بے شمار صفات، قوتیں اور صلاحیتیں دیں۔

پھر اُن کو پیدا کر کے اور اُن کی ضروریات کو مہیا ہی کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ انھیں ہدایت و رہنمائی سے بھی نوازا۔ مخلوق کی ہر نوع کو اس کا کام بتایا اور اس کو انجام دینے کی قوتیں عطا کیں۔ جس خدا نے ایک حقیر کیڑے سے لے کر عظیم الشان سمندروں تک کی رہ نمائی کی وہ یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ انسان کو، جسے اُس نے اشرف المخلوقات بنایا، اُسے بغیر کسی ہدایت و رہ نمائی کے چھوڑ دیتا۔ یہی وہ رہنمائی ہے جس کے لیے اُس نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے:

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ (النازعات ۱۹)

"اور تیری تیرے رب کی طرف رہ نمائی کروں تاکہ تو ڈرے"۔

لیکن فرعون نے تو یہ بحث سمجھنے سمجھانے کے لیے کی ہی نہیں تھی۔ وہ ایک طرف موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کو رد کر کے اُن کی نبوت کا انکار کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف ان کو لاطائل بحث میں اُلجھا کر اور ان کا مذاق اُڑا کر خاموش رہنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے درباری اُن کی دعوت سے متاثر نہ ہوں تیسری طرف ان کے مطالبہ جو الگ بنی اسرائیل کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا تاکہ اس کی "خدائی" پر کوئی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی اہمیت گھٹانے کے لیے اُن سے روئے سخن موڑ کر اپنے درباریوں سے یوں خطاب کیا:

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ٥ (الشعراء: ۲۵)

"فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا "سُنتے ہو؟"

یعنی دیکھ لو، یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام اس کی چالوں کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے، اُن کو یوں چٹکیوں میں اُڑانا آسان نہ تھا۔ انھوں نے اس کو موضوع بدلنے اور اُس سے فرار کرنے کی اجازت نہ دی۔ فوراً جواب دیا:

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ٥ (الشعراء: ۲۶)

"انھوں نے کہا، تمھارا رب بھی اور تمھارے اُن آباؤ اجداد کا رب بھی جو گزر چکے ہیں"۔

یعنی مَیں ایسے رب کا ماننے والا نہیں ہوں جو آج ہے کل نہ ہو گا یا کل تھا اور آج نہیں، بلکہ میرا رب تو وہ ہے جو کل بھی رب تھا، آج بھی رب ہے اور آئندہ کل بھی رب رہے گا۔ وہ حیّ قیّوم رب ہے۔ اُس کو نہ فنا ہے نہ زوال۔ کل جبکہ تو کچھ بھی نہ تھا تو بھی وہ رب تھا، اور تیرے باپ دادا اور اُن سے بھی پہلے وہ رب تھا اور کل جبکہ تو مر کر ختم ہو جائے گا تب بھی وہ رب باقی رہے گا۔

فرعون، جو موسٰی علیہ السّلام کو اُلجھانے کی کوشش کر رہا تھا، اِس جواب کو سُن کر دل میں بڑا خوش ہُوا ہو گا۔ سوچا ہو گا اب میرے جال میں پھنسے۔ مَیں جس چیز کی تلاش میں تھا وہ اب ہاتھ آئی ہے۔ باپ دادا کا ذکر سُن کر اُچھل ہی تو پڑا۔ سوچا کہ ابھی لوگوں کی رگِ حمیتِ جاہلیۃ کو پھڑکاتا ہوں، پھر دیکھو کیسے لینے کے دینے پڑتے ہیں۔ بڑے طمطراق سے بولا:

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ٥ (طٰہٰ : ۵۱)

"فرعون بولا" اور پہلے جو نسلیں گزر چکی ہیں، ان کی پھر کیا حالت تھی؟"

یعنی تمہارا یہ کہنا کہ تمہارے رب نے سب کو پیدا کیا اور ان کے لیے راہِ ہدایت کا بندوبست کیا ہے تو پھر ہمارے اُن باپ دادا کا کیا بنے گا جو نسلوں سے تمہارے رب کو چھوڑ کر دوسرے ارباب کی عبادت کرتے رہے ہیں بلکہ خود ہی رب بنے رہے ہیں۔ کیا وہ سب گمراہ تھے اور تمہارے فلسفہ کے مطابق وہ سب اُس عذاب کے مستحق ہو گئے جس کی تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔

لیکن قربان جائیے بصیرتِ نبوی کے، موسٰی علیہ السّلام اُس کے اِس اُلجھاوے سے صاف نکل گئے اور ایسا جواب دیا کہ وہ منہ تکتا ہی رہ گیا۔ فرمایا:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ٥

(طٰہٰ : ۵۲)

"بولے، اُس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے، میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔"

اِس حکیمانہ جواب میں ہمیں حکمتِ تبلیغ کا ایک اہم اُصول ملتا ہے اور وہ یہ کہ جب مخاطب جہالت اور شرارت پر اُتر آئے تو اس کی بات کا براہِ راست جواب دے کر اس کو اور مشتعل کرنے اور شرارت کا موقع دینے سے احتراز کیا جائے۔ بات کا جواب اس طرح دیا جائے کہ بات حق بھی ہو، اُس سے اپنا مدّعا بھی پُورا ہو جائے اور اُس کو شرارت کرنے کا موقع بھی نہ مل سکے۔

موسٰی علیہ السلام اگر چاہتے تو یہ جواب دے سکتے تھے اور وہ صحیح بھی ہوتا کہ ہاں تیرے سب باپ دادا گمراہ تھے اور جہنّم کا ایندھن بنیں گے۔ یہ چاہے حق گوئی کا کتنا ہی شاندار کارنامہ کیوں نہ ہوتا لیکن دشمن کے ہاتھ میں ایسا ہتھیار فراہم کر دیتا جو چشم زدن میں ساری قوم کو موسٰی علیہ السلام کے خلاف اُٹھا کر کھڑا کر دیتا۔ لیکن انھوں نے اِس جواب سے ایک طرف تو فرعون کو لاجواب کر دیا دوسری طرف اپنی دعوت کی اہم بنیاد، صفاتِ الٰہی کا جامع تصور بھی پیش کر دیا کہ میرے رب کے پاس ہر ایک کے اعمال کا پورا ریکارڈ ہے، اُس میں درج ہونے سے نہ کوئی بات چھوٹتی ہے، نہ غلط درج ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے اور وہ مختار ہے کہ ان کے ساتھ جو سلوک چاہے کرے۔ تجھے ان کی فکر سے پہلے اپنی فکر کرنا چاہیے کہ تیرا کیا بنے گا؟

تجھ کو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو

فرعون اب بالکل لاجواب ہو گیا تھا۔ لیکن اقتدار جب کہ وہ سرکش بھی ہو اور متکبر بھی، آسانی سے ہار ماننے والا نہیں ہوتا۔ اس کا پندار اور جھوٹا وقار اس کو حق قبول کرنے سے باز رکھتا ہے اور اس کو ہٹ دھرمی، ضد اور جہالت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ چنانچہ فرعون اب کھلی جہالت پر اُتر آیا اور بولا:

فرعون کا تمسخر

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِيٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ۝ (الشعراء: ۲۷)

"فرعون نے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تمھارے یہ رسول صاحب جو تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں بالکل ہی پاگل معلوم ہوتے ہیں۔"

یہ جاہل اقتدار کا وہ مخصوص جواب ہے جو ہر زمانہ میں اس کی طرف سے اہلِ حق کو ملتا رہا ہے۔ حضرت نوحؑ، حضرت ھودؑ، حضرت ابراہیمؑ اور خود حضور

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہٹ دھرم و جاہل، ضدی چودھریوں کی طرف سے یہی جواب ملا تھا۔ یہ لوگ جب دلائل کی بازی ہار جاتے ہیں تو گالیوں اور الزامات پر اُتر آتے ہیں۔ اس طرح وہ سمجھتے ہیں کہ اپنے فریقِ مخالف کو ذلیل کر دیں گے، لیکن زمانے نے گواہی دی ہے کہ اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے والے بالآخر خود ہی ذلیل ہو کر رہے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام اُس کی اِس پھبتی سے گھبرا کر اپنی دعوت چھوڑنے والے نہ تھے۔ اُنھوں نے اپنی بات کو پورا کرنے کے لیے کہا:

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۸)

"موسیٰ علیہ السلام نے کہا مشرق و مغرب اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کا رب، اگر آپ لوگ کچھ عقل رکھتے ہیں۔"

یعنی میرا رب تو وہ ہے جو اِس پوری کائنات کا جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے، اِن سب کا رب ہے۔ تو اِس ذرا سی زمین کے ٹکڑے کی بادشاہت پر اِتراتا ہے لیکن میرے رب کی بادشاہت تو مشرق و مغرب پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے سامنے تیری کیا حقیقت ہے۔ میں اُس عظیم الشان ذات کو اپنا رب مانوں یا تجھے جو اس کی بادشاہت میں ایک حقیر مخلوق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ تم مجھے پاگل قرار دیتے ہو لیکن مجھے تمھاری عقل پر رونا آتا ہے کہ اگر تم واقعی عقل والے ہوتے تو ایسی بدیہی بات کا انکار نہ کرتے۔

موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سُن کر فرعون بالکل ہی آپے سے باہر ہو گیا اور ہوتا بھی کیوں نہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے بالکل ویسی ہی دلیل دی تھی جیسی اُن کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو دی تھی۔ نمرود نے جب کہا کہ چونکہ بادشاہی میری ہے، ملک میرا ہے تو پھر میرے سوا رب کون ہو سکتا ہے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا رب تو وہ ہے جو مارتا ہے اور جِلاتا ہے تو نمرود

نے بڑھ کر کہا کہ یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ اُس پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے وہ دلیل دی کہ وہ مدعیٔ ربوبیت منہ تکتا رہ گیا۔ ارشاد ہوا :

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ (البقرہ : ۲۵۸)

"ابراہیمؑ نے کہا، میرا رب ــــ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا مغرب سے نکال کر دکھا۔ پس وہ ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔"

اور پھر وہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈلوانے پر آمادہ ہو گیا۔

اب جب کہ موسیٰ علیہ السّلام نے سنّتِ ابراہیمیؑ کو اپنایا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ فرعون، نمرودی طریقے کو نہ اپناتا۔ اگر اہلِ ایمان کا رویہ حق کے بارے میں ازل سے ایک ہی رہا ہے تو اہلِ باطل بھی اپنی تمام لاف و گزاف کے باوجود اُسی ہزاروں لاکھوں برس کی قدیم جاہلانہ ڈگر پر چل رہے ہیں اور چلتے رہیں گے۔

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسداللّٰہی، وہی مرحبی، وہی عنتری (اقبالؒ)

اور وہ جاہلانہ ڈگر یہ ہے کہ جب دلائل کا جواب بن نہ پڑے تو گالیوں اور دھمکیوں پر اُتر آئے اور پھر اپنے مخالفین کو قید خانوں میں ٹھونس دے یا پھانسیوں پر لٹکا دے یا آگ میں جلا دے۔

چنانچہ فرعون بھی ٹھیک اپنے رُوحانی پیشوا نمرود کی پیروی کرتے ہوئے دھمکیوں پر اُتر آیا اور بولا :

فرعون کی دھمکی

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ○ (الشعراء : ۲۹)

"فرعون نے کہا:" اگر تُو نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو تجھے بھی اُن لوگوں میں شامل کر دوں گا جو قید خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔"

موسٰی علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ اب یہ بپھر گیا ہے اور ہٹ دھرمی اور ضد پر اُتر آیا ہے اور کوئی دلیل اِس پر اثر انداز نہ ہو گی تو اُنھوں نے دوسرا طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ اب اُسے ایسی قاطع عملی دلیل "آیتِ کبریٰ" دکھائی جائے کہ وہ اُسے جھٹلا نہ سکے۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا:

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الشعراء: ۳۰)

"موسٰیؑ نے کہا، "اگرچہ مَیں لے آؤں تیرے سامنے ایک صریح چیز بھی؟"

فرعون اِس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ اب موسٰی علیہ السلام میں کیا تبدیلی آگئی ہے۔ وہ ابھی تک یہی تصوّر لیے بیٹھا تھا کہ ایک ہمارا پروردہ ہمارے مقابلے پر اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور یہ بات کوئی فرعون ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، اہلِ باطل ہمیشہ اہلِ حق کے بارے میں غلط ہی اندازے لگاتے ہیں۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ یدِ موسٰیؑ اور عصائے کلیمی میں کیا کیا کرشمے جمع ہوتے ہیں۔ بڑے چیلنج کے انداز میں بولا:۔

فرعون کا چیلنج

قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ (الشعراء: ۳۱)

"فرعون بولا" اچھا تو لے آ، اگر تُو سچا ہے۔"

دوسرے مقام پر اس کا چیلنج اِس انداز میں بیان کیا گیا ہے:

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ (الاعراف: ۱۰۶)

"فرعون نے کہا، اگر تُو کوئی نشانی لایا ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو اُسے پیش کر۔"

دربار میں مظاہرۂ معجزات

موسٰی علیہ السلام نے اِس کے چیلنج کو فوراً ہی قبول کر لیا اور وہ دونوں

نشانیاں دکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں اِس موقع کے لیے خاص طور پر عطا کی تھیں۔ وہ نشانیاں کیا تھیں؟ قرآن مجید نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَّ نَزَعَ یَدَہٗ فَاِذَا ھِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ۝ (الشعراء: ۳۲-۳۳، الاعراف: ۱۰۷-۱۰۸)۔

"موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک صریح اژدہا تھا۔ پھر اُس نے اپنا ہاتھ بغل سے کھینچا اور وہ سب دیکھنے والوں کے لیے چمک رہا تھا۔"

فرعون نے جب دیکھا کہ اس کے بھرے دربار میں پھنکارتا ہوا اژدھا موجود ہے اور سورج جیسا روشن ہاتھ چمک رہا ہے تو وہ بڑا مرعوب و ہیبت زدہ ہوا۔ بوکھلا کر اپنے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا:

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَہٗۤ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۝ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِہٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝

(الشعراء: ۳۴-۳۵)

"فرعون اپنے گرد و پیش کے سرداروں سے بولا "یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ اب بتاؤ تم کیا حکم دیتے ہو؟"

ہیبتِ حق بھی کیا عجیب چیز ہوتی ہے، ابھی ابھی یہ صاحب اپنی خدائی کا دعویٰ کر رہے تھے، ابھی ابھی اپنے مخاطب کو جیل میں سزا دینے کی دھمکیاں دے رہے تھے اور ابھی اپنے مخاطب کو پاگل قرار دے رہے تھے لیکن عصائے کلیم کی ایک ہی ضرب نے اُن کے دماغ کی ساری چولیں ڈھیلی کر ڈالیں اور اب اپنے سرداروں سے مشورہ کر رہے ہیں کہ تم ہی کچھ راستہ سجھاؤ کہ اِس مصیبت سے کیسے نجات پائی جائے۔

ایک سلیم الطبع آدمی کی ہدایت کے لیے وہ معجزات کافی تھے جو حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرعون کے بھرے دربار میں دکھائے تھے۔ لیکن جو آدمی ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو جائے اُس پر کوئی دلیل، کوئی نشانی خواہ کتنی ہی صاف اور صریح کیوں نہ ہو، اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہی کیفیت فرعون کی تھی۔ اس کی اِس ذہنیت کا نقشہ قرآن مجید میں یوں کھینچا گیا ہے:

فرعون کا تمرّد

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى (طٰہٰ: ۵۶)

"اور ہم نے فرعون کو سب ہی نشانیاں دکھائیں مگر وہ جھٹلائے چلا گیا اور نہ مانا۔"

اِس آیت میں فرعونی سیرت و کردار کی اصل ٹیڑھ اور بنیادی خرابی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جو شخص اقتدار کے نشہ میں بدمست ہو رہا ہو، جس کے ہاتھ میں ہر طرح کے اختیارات ہوں، جس کا مدِّ مقابل بظاہر کمزور و ناتواں اور بے یار و مددگار ہو، ایسے شخص کو کتنا ہی قائل کرنے کی کوشش کی جائے، دلائل و براہین کے کتنے ہی انبار لگا دیے جائیں، لیکن اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ جس طرح بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی کے چند چھینٹے اس کو مزید بھڑکانے کے موجب ہوتے ہیں، بالکل اِسی طرح ایسے فرعون صفت آدمی پر قائل و معقول ہونے کی خجالت اس کی آتشِ غضب کو مزید بھڑکاتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرعون کو دلنشین دلائل، مُسکت جوابات، پُر تاثیر خطابت، کھلے کھلے معجزات، عصائے کلیمیؑ اور یدِ بیضا، غرض ہر طرح اور ہر ذریعہ سے سمجھانے کی کوشش کی مگر

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

فرعونی الزامات

جتنی نشانیاں دیکھتا گیا وہ کچھ اور ہی بپھرتا گیا۔ اپنے پروپیگنڈہ کے اسلحہ خانے سے سارے ہی ہتھیار جمع کیے اور کہنے لگا:

"یہ شخص یقیناً ماہر جادوگر ہے۔ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔"

سورہ طٰہٰ میں اس کا یہی قول اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى

(طٰہٰ : ۵۷)

"کہنے لگا "اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کرے۔"

اِس ایک جملہ میں اُس نے کمال ہوشیاری سے اپنے مکروفن کے سارے ہی ہتھیار آزما لیے۔

ایک طرف اس نے موسیٰ علیہ السّلام پر یہ الزام لگاکر کہ تم نبی نہیں صرف ایک جادوگر ہو، انھیں جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی اور ان کی حق گوئی، جرأت و بیباکی کی وجہ سے ان کی جو اخلاقی ساکھ قائم ہو چکی تھی اس کو اکھاڑنے کے لیے بھرپور وار کیا۔

دوسری طرف یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ یہ سارا کاروبار اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اِس جادو کی آڑ میں خود مالک الملک بننے کی خواہش پوشیدہ ہے۔

تیسری طرف اپنے درباریوں اور ہم قوموں میں خطرہ کا احساس اور خوف پیدا کرنے کی کوشش کی کہ اگر یہ شخص کامیاب ہو گیا تو پھر اقتدار کی خیر نہیں۔ اگر چاہتے ہو کہ تم اور تمہاری قوم کا اقتدار باقی رہے تو پہلے اِس خطرہ کا استیصال کرو۔

اِس سے پہلے وہ اپنے درباریوں کی حمیتِ جاہلیت یہ کہہ کر جگانے کی کوشش کر چکا تھا کہ یہ شخص تمہارے باپ دادا، آباؤ اجداد سب کو گمراہ کہتا ہے اور اب یہاں یہ عصبیتِ جاہلیت پیدا کرنے کی کوشش کی کہ یوسف علیہ السلام کے بعد ایک مرتبہ پھر یہ قبطیوں کی حکومت کا خاتمہ کرکے بنی اسرائیل کی حکومت قائم کرنے کی چال چلی جا رہی ہے۔

درباریوں کی جی حضوری

اِس موقع پر وہ درباری، جو ہمیشہ بادشاہ سے زیادہ بادشاہ کے وفادار ہوتے ہیں، آگے بڑھے۔ اپنے آقائے ولی نعمت کو خوش کرنے کے لیے اُس کی ہاں میں ہاں ملانا ان کا پیدائشی وظیفہ ہوتا ہے وہ کیسے چوک جاتے۔ چنانچہ یک زبان ہوکر بولے:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ○

(الاعراف: ۱۰۹-۱۱۰)

"اُس پر فرعون کی قوم کے سرداروں نے آپس میں کہا کہ "یقیناً یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے، تمھیں تمھاری زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے اب کہو کیا کہتے ہو؟"

فرعون اور اس کے درباریوں کی اِس ڈھٹائی کو جو کھلے معجزات دیکھنے کے باوجود اُنھوں نے اختیار کی، قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (یونس: ۷۶)

"پس جب ہمارے پاس سے حق اُن کے سامنے آیا تو اُنھوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔"

فرعون اور اس کے درباریوں نے صرف ڈھٹائی اور کٹ حجتی ہی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ کھلم کھلا اِستہزاء و تضحیک پر اُتر آئے اور بھرے دربار میں اُن کا یوں مذاق اُڑانے لگے:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ○ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى

مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

(القصص: ۳۶ تا ۳۸)

"پھر جب موسیٰؑ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر پہنچا تو انھوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر بناوٹی جادو۔ اور یہ باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانہ میں کبھی سُنی ہی نہیں۔

موسیٰؑ نے جواب دیا "میرا رب اُس شخص کے حال سے خوب واقف ہے جو اُس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ آخری انجام کس کا اچھا ہونا ہے، حق یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے"

اور فرعون نے کہا "اے اہلِ دربار، مَیں تو اپنے سوا تمھارے کسی اِلٰہ کو نہیں جانتا۔ ہامان، ذرا اینٹیں پکوا کر میرے لیے ایک اونچی عمارت تو بنوا، شاید کہ اُس پر چڑھ کر مَیں موسیٰؑ کے خدا کو دیکھ سکوں، مَیں تو اِسے نرا جھوٹا سمجھتا ہوں۔"

یعنی موسیٰ علیہ السّلام نے جب اُسے اپنے معجزات ــــ یدِ بیضاء اور عصائے کلیمی دکھائے تو پہلے تو اس نے انھیں جادو کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی پھر جب ان کی زبان سے اپنی الوہیت اور ربوبیت کو چیلنج کرتے سُنا تو اُس کی تردید کرتے ہوئے بولا کہ یہ نیا اللہ اور ربّ کہاں سے گھڑ لائے ہو۔ اِس ملک کا مالک مختار، فرماں روائے کُل، اقتدارِ اعلیٰ، شارعِ مطلق تو مَیں ہوں، میرے سوا اور کون سی ہستی ہے جس کا فرمان و حکم یہاں چلے گا۔ ارے مَیں تو یہاں پُشتوں سے حکمرانی کر رہا ہوں، میرے سوا کون ہے جو اِس ملک کے باشندوں کو قانون دے اور

اپنی مرضی پر چلاتے۔ یہ آج نرالی بہکی بہکی کیسی باتیں کر رہے ہو۔

موسٰی علیہ السّلام نے جواب دیا کہ جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ صحیح راستہ پر کون ہے اور کس کا انجام بخیر ہونا ہے۔ یہ ظلم و تکبر کی راہ اختیار نہ کر۔ یہ فلاح پانے والوں کی راہ نہیں، اس پر چل کر تباہی حاصل ہو گی اور کچھ نہیں۔

فرعون جو کسی حد پر رُکنے والا نہیں تھا اور آگے بڑھا، اب اُس نے موسٰی علیہ السّلام کو چھوڑ کر ان کے خدا کا مذاق اُڑانا شروع کیا تاکہ جڑ ہی صاف ہو جائے۔ بولا:

ارے ہامان، ذرا ایک اُونچی سی عمارت یا مینار تو بنوا، میں دیکھوں تو سہی کہ موسٰیؑ کا خدا ہے کہاں؟ یہ تو نرا جھوٹا ہے اسے گھر تک پہنچادوں۔

اُس بے وقوف نے سمجھا کہ یہ ہدایت جو نازل ہوتی ہے تو ضرور کسی اونچی جگہ سے ہی اُترتی ہو گی۔ یہ فرعونی ذہنیت کچھ اُس فرعون ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ہر دَور کے فرعون خدا تعالیٰ کے متعلق ایسی ہی ذہنیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اِس بیسویں صدی کے نئے فرعون خروشچیف (سابق روسی وزیر اعظم) نے بھی ایسی ہی احمقانہ بات اُس وقت کہی تھی جب سپوٹنک فضا کا چکر لگا کر زمین پر آیا تو بولا مجھے تو کہیں خدا نظر نہ آیا۔ اُس بے وقوف کو یہ کون بتائے کہ جس خدا کو تُو خلاء اور آسمانوں میں تلاش کر رہا ہے وہ تو تیرے دِل میں بھی بیٹھا ہُوا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں تو دیکھنا بڑی بات ہے، اگر تیرے آنکھیں ہوں تو ذرا اپنے دل ہی میں جھانک کر دیکھ لے۔ لیکن جس کی ہیئے کی پھُوٹ گئی ہوں اُس کو کون دکھائے۔ ہاں جب یہ حضرت وزارتِ عظمٰی سے کان پکڑ کر اُتارے گئے تھے اُس وقت شاید اُنھیں خدا نظر آگیا ہو۔ کیونکہ اس کے بعد پھر یہ کبھی نہیں چہکے۔

موسٰی علیہ السّلام نے جب یہ دیکھا کہ فرعون اور اس کے حواری صریح دھاندلی پر اُتر آئے ہیں اور کھلی کھلی نشانیوں کے باوجود، جو اُن ہی کے مطالبہ پر پیش کی گئی تھیں،

یہ اُسے جادو کہہ کر ایک طرف حق سے منہ موڑنے کے لیے راہِ فرار تلاش کر رہے ہیں تو دوسری طرف میری پوزیشن اور میری دعوت کو مشتبہ بنا رہے ہیں تو انھوں نے ایک مرتبہ پھر نہایت مدلل اور بھرپور جواب دیا اور فرمایا :

قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝ (یونس : ۷۷)

"موسیٰؑ نے کہا : تم حق کو یہ کہتے ہو جب کہ وہ تمہارے سامنے آگیا ؟ کیا یہ جادو ہے ؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پاتے۔"

یعنی پہلے تو تم نے خود ہی مطالبہ کیا کہ اپنی ماموریت کی سند دکھاؤ۔ پھر جب اس مطالبہ کے جواب میں مَیں نے تمھیں کھلے ہوئے معجزات دکھائے تو تم انھیں جادو کہہ کر ہوا میں اڑانا چاہتے ہو ؟ کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ جادوگروں کے یہی طور طریقے ہوتے ہیں جو میرے ہیں ؟ ایک بے یار و مددگار شخص، ایک جابر و قاہر فرماں روا کے سامنے یوں بے دھڑک آتا ہے، کسی معاوضے یا اجر کی طلب کے بغیر اپنی دعوت پیش کرتا ہے۔ ایسی دعوت جو سراسر اصلاح و ہدایت پر مبنی ہے ـــــ پھر ایسی صریح نشانیاں دکھاتا ہے جو کسی جادوگر کے بس کی نہیں، کیا وہ شخص جادوگر ہو سکتا ہے ؟ جادوگروں کی معراج تو یہ ہے کہ اگر وہ کسی دربار میں اپنے کمالات دکھانا چاہتے ہیں تو پہلے سرکار والامدار سے اجازت طلب کرتے ہیں اور اس کے لیے سو جتن کرتے ہیں، پھر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے انعام و اکرام کی التجا کرتے ہیں، کیا مَیں نے ایسی کوئی حرکت کی ہے ؟ واقعہ یہ ہے کہ جادوگر صرف داد و دہش، انعام و اکرام تو پا سکتے ہیں لیکن کبھی معزز و سرخرو نہیں ہو سکتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کھرا جواب سن کر سارے فرعونی ایک عیار مناظرہ باز کی طرح یک زبان ہو کر کہنے لگے :

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا

بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس: ۷۸)

"بولے کیا تو اِس لیے آیا ہے کہ ہمیں اُس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہو جائے؟ تمھاری بات تو ہم ماننے والے نہیں؟"

اِس جملہ میں انھوں نے فرعونی تکنیک کو پھر دھرایا کہ لوگوں کو دینِ آبائی کی عزت بچانے کی دہائی دی، اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو کسی قیمت پر قبول نہ کرنے کا اعلان کیا تاکہ کوئی دوسرا شخص اس کو قبول کرنے کی ہمت نہ کرسکے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے پروپیگنڈے کی توپوں کا رُخ موسیٰ علیہ السلام کی طرف کر دیا کہ یہ دونوں بھائی اپنی 'کرسی' کے لیے جنگِ اقتدار چھیڑنے آئے ہیں۔

اِن سب بوجھ بجھکڑوں نے مل کر فرعون کو مشورہ دیا:

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ۝ (الشعراء: ۳۶-۳۷)

"انھوں نے کہا: اسے اور اس کے بھائی کو روک لیجیے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجیے کہ ہر سیانے جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔"

سورہ الاعراف میں بھی تقریباً یہی الفاظ آئے ہیں:

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ۝ (آیت: ۱۱۱-۱۱۲)

"پھر اُن سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اِسے اور اِس کے بھائی کو انتظار میں رکھیے اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجیے کہ ہر ماہرِ فن جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔"

اب یہ تو معلوم نہیں کہ فرعون نے اس مشورہ پر عمل کرنے کے لیے کوئی حکم نامہ حبسِ امتناعی (Preventive Detention Order) یا سیفٹی ایکٹ جاری کیا یا نہیں اور بادشاہ سلامت نے بمسرت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آزادی سلب

کرنے کا پروانہ جاری کیا یا نہیں؟ شاید اُس وقت تہذیب اتنی ترقی پسند نہیں ہوئی تھی کہ سلبِ آزادی پر خوشنودی کا پروانہ جاری کرے۔ یا اُس وقت ایسے ماہر قانونی مشیر (Legal Advisers) پیدا نہیں ہوئے تھے جو زہرِ ہلاہل کو قند کا خوشنما غلاف بنا کر پیش کرتے۔ البتہ اُس نے خام سیاسی چال (Crude Diplomacy) کے طور پر اُن کو کچھ حیلوں بہانوں کے ذریعہ انتظار میں رکھا اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے کے لیے مہلت حاصل کر لی۔

ان دانشوروں کے اِس مشورہ سے یہ بات بھی کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ جب بھی دعوتِ حق بُلند ہوتی ہے تو ایوانِ اقتدار میں زلزلہ آجاتا ہے، اور جبر و تشدد کی ریت پر بنایا ہوا قصرِ اقتدار ڈگمگاتا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔ اربابِ اقتدار پہلی ہی نظر میں اپنے زوال کے آثار بھانپ لیتے ہیں اور اس اُبھرتی ہوئی دعوت کو کچلنے کے لیے ذلیل سے ذلیل ہتھیار استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

مضمراتِ دعوت سمجھنے میں درباریوں کی فراست

بہرحال یہ بات ماننا پڑے گی کہ یہاں فرعون اور اُس کے حواریوں کی اس فراست و ذہانت کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا جو اُنھوں نے اِس دعوت کا نتیجہ اخذ کرنے میں دکھائی۔ واقعہ یہ ہے کہ دعوتِ دین اور اقتدار کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اقتدار کے بغیر دین ایک وعظ ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ دین آیا ہی غالب رہنے کے لیے ہے نہ کہ مغلوب رہنے کے لیے۔ یہی وہ تابندہ حقیقت ہے جس کو ذاتِ باری تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

(الصّف: ۹)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے

ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔"

اِس ہی ظاہر و باہر حقیقت کو زبانِ رسالتؐ نے یوں ادا فرمایا:

ان اللہ لیزع بالسلطان مالا یزعُ بالقرآن۔

"اللہ تعالیٰ اقتدار کے ذریعہ ان چیزوں کو مٹاتا ہے جو قرآن سے نہیں مٹائی جا سکتیں۔"

جس بات کی تہہ کو فرعون اور اس کے درباری چشم زدن میں پا گئے، افسوس ہے کہ ہمارے کچھ نام نہاد دیندار سینکڑوں سال کی قیل و قال کے بعد بھی ماننے کے لیے تیار نہیں۔

جادوگروں سے مقابلے کا چیلنج

اپنے گرتے ہوئے اقتدار کو سنبھالا دینے کے لیے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو چیلنج دیا کہ:

فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنتَ مَكَانًا سُوًى ٥ (طٰہٰ: ۵۸)

"اچھا ہم بھی تیرے مقابلہ میں ویسا ہی جادو لاتے ہیں۔ طے کر لے کب اور کہاں مقابلہ کرنا ہے۔ نہ ہم اِس قرار داد سے پھریں گے نہ تو پھرنا۔ کھلے میدان میں سامنے آجا۔"

یہ اُس پروپیگنڈہ کی مہم کی انتہا (Climax) تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک پوری قوم کے سامنے ایک جادوگر کی حیثیت سے لا کھڑا کیا۔

موسیٰ علیہ السلام اگر جادوگر ہوتے تو اس چیلنج کو قبول کرنے میں کچھ پس و پیش کرتے۔ وہ تو ایک داعیٔ حق تھے جن کے لیے یہ موقع خداداد تھا کہ ایک مرتبہ پورے ملک کے سامنے روزِ روشن میں حق نکھر کر سامنے آجاتے اور سارے

لوگ جان لیں کہ کون برسرِ حق ہے اور کون صرف مکر و فریب کے ہتھیاروں سے لیس ہے۔ چنانچہ انھوں نے فوراً ہی اِس چیلنج کو قبول کر لیا اور کہا:

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ (طٰہٰ: ۵۹)

"موسیٰؑ نے کہا "جشن کا دن طے ہوا، اور دن چڑھے لوگ جمع ہوں"۔

یعنی رات کے اندھیرے یا صبح کے دھندلکے میں یہ مقابلہ نہ ہو بلکہ خوب روزِ روشن میں ہو تاکہ لوگوں کو نہ دھوکا دیا جا سکے اور نہ وہ خود کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو سکیں۔ اور دن بھی ایسا ہو کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع ہو سکیں۔ چنانچہ اُن کے تہوار کا دن طے ہوا اور موسیٰ علیہ السلام اپنے مستقر پر واپس تشریف لائے۔

موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے دربار سے واپس آئے تو اپنی دعوت کو پھیلانے اور منظم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ انھیں فرعون اور اس کے چیلنج کے بارے میں ذرہ برابر بھی فکر نہ تھی اور اپنے کام میں پورے اطمینان و سکون سے مصروف ہو گئے۔ انھیں یہ اطمینان و سکون کئی وجوہ سے حاصل تھا۔

ایک یہ کہ انھیں اپنے اور اپنی دعوت کے برسرِ حق ہونے کا یقینِ کامل حاصل تھا۔ انھیں یقین تھا کہ حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ وقتی طور پر اس کی راہ میں کچھ آزمائشیں حائل ہوں لیکن بالآخر حق کامیاب ہو کر رہے گا۔ اس یقین کا اظہار آئندہ انھوں نے کئی بار کیا۔ یہ سکون و اطمینان اللہ تعالیٰ ہر داعیِ حق کو عطا فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی دامانِ صبر کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

دوسرے یہ کہ ان کی نظر میں وہ تمام بشارتیں تھیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی کامیابی کے بارے میں دی تھیں۔ خاص طور پر وہ بشارتیں جو عطائے نبوت کے موقع پر دی گئی تھیں کہ تم تنہا نہیں چھوڑے جاؤ گے میں تمھارے ساتھ ہوں اور یہ کہ تم اور تمھارے پیرو بالآخر غالب ہو کر رہیں گے۔

مقابلے کے لیے فرعونی تیاریاں

اُدھر فرعون اِس مقابلہ کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ سب سے پہلے اُس نے اپنے حواریوں سے کہا کہ:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿یونس: ۷۹﴾

"فرعون نے کہا، میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے کر آؤ"

سارے ملک میں ہرکارے چھوڑ دیے گئے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر جادوگروں کو مقررہ دن پر لے کر آئیں۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿الشعراء: ۳۸﴾۔

"اور ایک مقررہ دن پر تمام جادوگر جمع کر دیے گئے"

پھر اپنی ساری مشینری کو حرکت میں لا کر پورے ملک میں اُس دن کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی مہم چلائی گئی اور پورے زور شور سے پروپیگنڈہ کے ذریعہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی کہ اب ہمارے دین کی بقا اس مقابلہ کے فیصلے پر منحصر ہے۔ اگر جادوگر جیت گئے تو ہم اپنے دین پر باقی رہ سکیں گے ورنہ موسیٰؑ اور اُن کا بھائی ہارونؑ ہمارے دین کو بہا لے جائے گا۔

فرعون کے درباریوں نے یہ پروپیگنڈہ اپنے ہم قوموں میں عصبیتِ جاہلیہ کو اُبھارنے کے لیے کیا تھا اور ان کا مقصود اصلی یہ تھا کہ دربار میں جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بے باکانہ دعوت اور معجزات سے متاثر ہو گئے تھے اور ملک میں عام لوگ جو اس واقعہ کے چرچے سے متاثر ہو رہے تھے، سب اِس عصبیت کے ریلے میں بہہ جائیں اور قبولِ حق سے باز رہیں۔ لیکن اِن نادانوں کو یہ کیا معلوم

تھا کہ حق کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جتنی اس کی مخالفت کی جائے اتنا ہی یہ ابھرتا ہے:

اسلام کو قدرت نے کچھ ایسی لچک دی ہے

اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے!! (ظفر علی خاں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ صرف کر دیتے تو شاید اس بڑے پیمانے پر ان کا اور ان کی دعوت کا تعارف نہ ہوتا۔ یہ سہرا (Credit) تو اُن کے مخالفین ہی کے سر ہے کہ انھوں نے اِس دعوت کو اتنی جلدی عام کرنے میں اتنی تیزی دکھائی۔ ہر زمانے میں فرعونیوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ اپنی دانست میں وہ پروپیگنڈہ کا طوفان دعوتِ حق کو دبانے کے لیے اُٹھاتے ہیں لیکن انھیں کیا معلوم کہ اُن کی یہ ساری تگ و دو اس دعوت کے پھیلانے ہی میں ممد و معاون ہو گی جس کے مٹانے کے یہ درپے ہیں۔

فرعون کی اِس ساری تگ و دو کو اللہ تعالیٰ نے دو جملوں میں یوں ادا فرمایا ہے:

وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ (الشعراء: ۳۹-۴۰)

"اور لوگوں سے کہا گیا "تم اجتماع میں چلو گے؟ شاید کہ ہم جادوگروں کے دین ہی پر رہ جائیں اگر وہ غالب رہے"۔

فرعون نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ جادوگروں کو اکٹھا کیا اور پروپیگنڈہ کی مہم چلائی، بلکہ اُس کے بس میں جو کچھ بھی تھا اور اُس کے پاس جتنے بھی ہتھکنڈے تھے وہ سب ہی اُس نے آزمائے۔ اُس کی اِس روش کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ۝ (طٰہٰ: ۶۰)

"فرعون نے پلٹ کر اپنے سارے ہتھکنڈے جمع کیے اور مقابلہ میں آ گیا"۔

فرعون کے یہ سارے ہتھکنڈے کیا تھے؟

یہی، کہ ملک بھر میں ایک طوفان اُٹھادیا کہ حضرت موسٰی اور ان کے بھائی حضرت ہارُون علیہما السّلام جادوگر ہیں۔ ملک کی حکمراں قوم میں یہ عصبیت جگائی کہ تمھارا ملک اور تمھارا دین خطرہ میں ہے، بنی اسرائیل تمھاری تہذیب کو مٹادیں گے اور تمھارے اقتدار کو اُلٹ کر خود قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ملک بھر میں اپنے نقیبوں اور ہرکاروں کو بھیج بھیج کر تمام ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا اور ملک کے باشندوں کو ایک عظیم مظاہرہ کے لیے بُلاوادیا۔

جادوگر فرعون کے دربار میں

غرض ملک کے کونے کونے سے جادوگر کھنچ کر دارالحکومت پہونچے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ اب بادشاہ سلامت کا تاج و تخت ہمارے سہارے کا محتاج ہے تو انھوں نے موقعہ مناسب جانا کہ اب خدمات کے معاوضہ کا سودا کیا جائے اور اس عظیم خدمت کی زیادہ سے زیادہ قیمت حاصل کی جائے۔ اس سودے بازی کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ۝ (الاعراف: ۱۱۳)

"اور جادوگر فرعون کے پاس آگئے اور بولے "اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اس کا صلہ ضرور ملے گا۔"

سورۃ الشعراء میں اس کو یوں بیان فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ۝ (آیت: ۴۱)

"جب جادوگر آئے تو انھوں نے فرعون سے کہا کہ ہمیں انعام تو ملیگا اگر ہم غالب رہے۔"

یہاں پر ہمیں ایک نبی اور ایک جادوگر کے درمیان عظیم الشان اور کھلا کھلا فرق نظر آتا ہے۔

اور وہ یہ ہے:

(۱) جادوگروں کی اوقات اس سے زیادہ نہیں ہوتی کہ وقتاً فوقتاً امراء اور حاکموں

کی خدمت میں آکر سلام کر لیا کریں اور اپنے کمالات دکھا کر کچھ انعام واکرام حاصل کر لیں۔ نہ کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ ہوگا کہ کوئی جادوگر آیا ہو اور اس نے حاکمِ وقت سے آنکھیں چار کر کے کوئی بات کی ہو، بلکہ وہ لوگ اس کی چاکری کو اپنی بڑی خوش بختی سمجھتے ہیں۔

(۲) نبی کو اپنی دعوت پھیلانے اور پہونچانے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ ان کے لیے بس اللہ تعالیٰ کا پروانۂ تقرری کافی ہے۔ پھر کوئی خوش ہو یا ناخوش، انھیں اپنا مشن پورا کرنا ہے اور حاکمانِ وقت سمیت سب لوگوں کو اپنا مطیع فرمان کرنا ہے۔

(۳) انبیاء علیہم السلام اپنا کام کسی سے معاوضہ یا اُجرت کی طلب کے لیے نہیں کرتے بلکہ وہ تو اسے اپنا مقصدِ زندگی سمجھ کر کرتے ہیں اور خود اُن کے پاس جو کچھ جمع پونجی ہوتی ہے وہ بھی اِس راہ میں نچھاور کر دیتے ہیں۔ وہ تو اپنے اجر کے صرف اپنے رب ہی سے طلب گار ہوتے ہیں۔

(۴) جادوگر وقتی طور پر کسی شعبدہ کو دکھا کر کچھ لوگوں کو مسحور کر سکتا ہے اِس کے برعکس انبیاء علیہم السلام اپنی سیرۃ، اپنی دعوت اور اپنے کردار سے لوگوں کو گرویدہ بناتے ہیں۔

(۵) آج تک دنیا میں کوئی سیاسی یا اخلاقی انقلاب جادو کے زور پر برپا نہیں ہوا اِس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے پہلے قدم ہی میں سیاسی و اخلاقی انقلاب کے آثار ہویدا ہوتے ہیں۔

چنانچہ فرعون نے اِس فرق کو اچھی طرح سمجھ کر اس موقع پر وہی جواب دیا جو ہر اقتدار کا بھوکا دیا کرتا ہے۔ وہ خوب جانتا تھا کہ انعام واکرام کا لالچ، مقرب دربار بنانے کی پیشکش بڑے بڑے باضمیروں کو ڈگمگا دیتی ہے۔ وہ اِس بات سے بخوبی واقف تھا کہ دنیا بھر میں، بے ضمیروں کو خریدنے اور حق سے لڑانے کے لیے اِس سے بہتر نسخہ ایجاد نہیں ہوا ہے کہ ان لوگوں کو اقتدار میں شرکت کی دعوت دے کر

اور خزانۂ عامرہ کی تھیلیوں کے منہ کھول کر اور ان کے نقرئی و طلائی سکوں کی جھنکار سنا کر اِن سب کو بندۂ "بادام" بنا لیا جائے۔ اُس نے کہا:

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ٥ (الاعراف: ۱۱۴)

"اُس نے کہا ہاں اور تم مقرب بارگاہ بھی ہو گے۔"

سورۃ الشعراء میں ہے:

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ٥ (آیت: ۴۲)

"اُس نے کہا ہاں، اور تم اُس وقت مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔"

یعنی، تم تو صرف انعام و اکرام کی کہتے ہو، وہ تو تمھیں ملے گا ہی، اس کا کیا پوچھنا؟ ارے مَیں تو تمھیں وزارت و سفارت سے نوازوں گا اور ملک میں تمھاری ہی چلے گی۔ جس کی سفارش کرو گے اس کا کام کیا جائے گا۔ قاتل مجرموں کو تمھارے اشارہ پر چھوڑا جائے گا اور بے گناہوں کو تمھارے اشارہ پر جیلوں میں ٹھونسا جائے گا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ اُس وقت صنعت و تجارت کے لیے لائسنسوں اور پرمٹوں کا طریقہ جاری تھا یا نہیں، اگر ہوتا تو فرعون، فراعنۂ جدید کی طرح ضرور یہ بھی پیش کش کرتا کہ خالی انعام و اکرام کی کیا کہتے ہو، ملیں لگوا دوں گا ملیں۔ لائسنس لو اور بیچو کھاؤ۔

جادوگروں سے مقابلہ

جادوگروں کو انتباہ

اب جادوگر فرعون کے وعدوں اور اس کی آشیرباد کو لے کر میدانِ مقابلہ میں آئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسلامی اصولوں کے مطابق اور انسانی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مرتبہ پھر فریقِ مخالف کے سامنے دعوتِ حق پیش کی۔ کیونکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان جب دوراہے پر کھڑا ہو، حق کی دعوت سن کر لبیک بھی کہہ دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ (طٰہٰ: ۶۱)

"موسیٰ نے (عین موقع پر گروہِ مقابل کو مخاطب کر کے) کہا شامت کے مارو، نہ جھوٹی تہمتیں باندھو اللہ پر، ورنہ وہ ایک سخت عذاب سے تمہارا ستیاناس کر دیگا۔ جھوٹ جس نے گھڑا نامراد ہوا۔"

انتباہ کا اثر

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ للکار رائیگاں نہ گئی اور یہ بروقت انتباہ بے نتیجہ نہ رہا۔ وہی درباری اور جادوگر جو ابھی مقابلہ کا عزم بالجزم لے کر میدان میں اترے تھے، لڑکھڑا گئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ قرآن مجید نے ان کی اس کیفیت کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ (طٰہٰ: ۶۲)

"یہ سن کر ان کے درمیان اختلافِ رائے ہو گیا اور وہ چپکے چپکے باہم مشورہ

کرنے لگے؟

یہ مشورے کیا تھے؟ یہی کہ ان کے کانوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پڑ چکی تھی اور ان کے معجزات و کمالات اور ان کا ردِ عمل بھرے دربار میں دیکھ چکے تھے۔ اس انتباہ نے ان کے سنجیدہ اور جہاندیدہ عنصر کو یہ سوچنے پر مجبور کیا اور مشورہ کرنے لگے کہ اگر یہ نبی ہوئے تو ہم کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکیں گے اور اگر اس مجمع عام میں شکست ہوگئی تو ساری بازی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ ذرا سی دیر میں کرکری ہو جائے گی، اب مقابلہ کریں یا نہ کریں؟

معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کے ضمیر بالکل ہی مردہ نہ ہو چکے تھے بلکہ بعض میں ابھی کوئی چنگاری باقی تھی۔ لیکن فرعون کے درباریوں میں جو شریر عنصر تھا اس نے فوراً ہی صورتِ حال کی نزاکت کو بھانپ لیا اور جادوگروں کو یوں ترغیب دی:

درباریوں کی شرانگیزی

قَالُوٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ الْمُثْلٰی ۝ فَاَجْمِعُوْا کَیْدَکُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی ۝ (طٰہٰ: ۶۳-۶۴)

"آخر کار کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ دونوں محض جادوگر ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کر دیں اور تمہارے مثالی طریقِ زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ اپنی ساری تدبیریں آج اکٹھی کر لو اور ایکا کر کے میدان میں آؤ۔ پس یہ سمجھ لو کہ آج جو غالب رہا وہی جیت گیا۔"

جیسا کہ قاعدہ ہے کہ جابر و قاہر حکمرانوں کے سامنے بات اُن ہی حواریوں کی چلتی ہے جو اپنی شرارت و خباثت میں سب سے آگے ہوتے ہیں، فیصلہ اُن ہی کی رائے کے مطابق ہوا جو شریر تر تھے۔ نہ صرف یہ کہ مقابلہ کی ٹھانی گئی بلکہ

ساتھ ہی ساتھ یہ الزام بھی دہرادیا کہ یہ (موسٰیؑ اور ہارونؑ) دونوں اقتدار کے بھوکے ہیں۔ شاید دنیا کے ہر دَور کے جبّاروں نے یہ تکنیک فرعون ہی سے سیکھی ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے، صلحاء اور اتقیاء، اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کھڑے ہوں اور جابروں اور قاہروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے کی ہمت و جرأت کریں تو ان پر فوراً یہ الزام لگا دو کہ یہ خود حکومت چاہتے ہیں۔ ان میں سے کچھ شریف آدمی تو یوں ہی شرمندہ ہو کر اس سے دستبردار ہو جائیں گے، جو باقی بچیں گے ان کے خلاف پروپیگنڈہ کا وہ طوفان اٹھا دو کہ ہر کہہ و مہہ یہ کہہ اُٹھے کہ یہ ساری 'کرسی' کی جنگ ہے۔ حالانکہ کوئی بھلا آدمی اِن فرعونوں سے یہ تو پوچھے کہ تم جو چودھری بنے پھرتے ہو، یہ چودھراہٹ کا پیدائشی حق تم کہاں سے لے آئے؟ تمہارے لیے کہاں سے خدائی فرمان آگیا؟

پھر ان کے پیٹ میں قوم کا درد بھی بہت اُٹھتا ہے۔ کبھی یہ نہیں کہتے کہ ہمارا اقتدار خطرے میں ہے، بلکہ ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ قوم کی زندگی خطرے میں ہے ایسے مواقع پر اِن کے مفادات، پبلک سیفٹی یا پبلک مفاد بن جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھیے فرعون کے درباریوں نے یہی کہا کہ:

"تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کر دیں گے"۔

یعنی ہماری فکر نہ کرو، ہم کو تو تمہارا غم کھائے جاتا ہے کہ تمہارا کیا بنے گا؟

اور انھوں نے صرف اِس ہی پر اکتفا نہ کیا کہ مفادات کا واسطہ دے کر ان کو مشتعل کرنے کی کوشش کی بلکہ یہ بھی کہ یہ تمہارے عیش و عشرت، یہ رنگ رلیاں، یہ خدائی ٹھاٹ باٹ، یہ حاکمیت کی شان، یہ سب خاک میں مل جائے گی۔ یہ اشتعال انگیز پروپیگنڈہ کی تکنیک پوری طرح کامیاب ثابت ہوئی اور وہی جادوگر جو چند لمحے پہلے تذبذب کا شکار تھے، مقابلہ پر آگئے اور کہنے لگے:

دعوتِ مُبارزت

قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ

مَنْ اَلْقٰی ﴿ (طٰہٰ: ۶۵)

"جادوگر بولے، اے موسیٰؑ، تم پھینکتے ہو یا ہم پہلے پھینکیں"۔

سورۂ اعراف میں ہے:

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿ (آیت: ۱۱۵)

"جادوگروں نے کہا، اے موسیٰؑ، تم پھینکتے ہو یا ہم پہلے پھینکیں"۔

موسیٰ علیہ السلام کو اپنی کامیابی کا کامل یقین تھا، انھیں کیا ڈر تھا؟ انھوں نے نہایت بے دھڑک ہو کر کہا:

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ﴿ (طٰہٰ: ۶۶)

"نہیں بلکہ تم ہی پھینکو"۔

سورۂ یونس میں ہے:

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓی اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿ (آیت: ۸۰)

"جب جادوگر آئے تو موسیٰؑ نے اُن سے کہا، پھینکو جو کچھ تمھیں پھینکنا ہے"۔

سورۂ الشعراء میں ہے:

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓی اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿ (آیت: ۴۳)

"موسیٰؑ نے ان سے کہا، پھینک دو جو کچھ تمھیں پھینکنا ہے"۔

موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو پہل کرنے کا موقعہ اس لیے دیا کہ ان کی کوئی حسرت دل میں نہ رہ جائے اور پھر یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں تو اپنے کمالات دکھانے کا موقع ہی نہ مل سکا جو ہم اپنی برتری جتا سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو پہل کرنے کی جو دعوت دی وہ ان کے اس کمال یقین کو ظاہر کرتی ہے کہ یہ جادوگر کوئی سا بھی داؤ چلیں، مَیں ان کو ہر داؤ پر ماروں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد میرے

ساتھ ہے۔

چنانچہ جادوگروں نے اپنے انچھر پھینکے:

فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ○ (الشعراء: ۴۴)

"پس انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں اور نعرہ مارا، عزت فرعون کی قسم، آج ہم ہی غالب ہوں گے۔"

جادو کی اثر انگیزی

ان لاٹھیوں اور رسیوں میں جس غضب کا جادو بھرا ہوا تھا اس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ أَلْقُوا ۖ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ○ (الاعراف: ۱۱۶)

"موسیٰ نے جواب دیا، تم ہی پھینکو۔

انھوں نے جو اپنے انچھر پھینکے تو نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوفزدہ کر دیا اور بڑا ہی زبردست جادو بنا لائے۔"

اس جادو نے جو کرشمے دکھائے ان کی تفصیل سورۂ طٰہٰ میں یوں آئی ہے:

فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ○ (طٰہٰ: ۶۶)

"یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰؑ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔"

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جیسے ہی کہا کہ تم پھینکو، سب جادوگروں نے مل کر اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں پھینک دیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اچانک دیکھا کہ ان کے چاروں طرف سینکڑوں سانپ دوڑ رہے ہیں۔

اس ہیبت ناک نظارہ کا موسیٰ علیہ السلام پر جو اثر ہوا اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے

یوں بیان فرمائی ہے:

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ط اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ ط وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی ○ (طٰہٰ : ۶۷ تا ۶۹)

"اور موسیٰؑ اپنے دل میں ڈر گیا۔ ہم نے کہا مت ڈر، تو ہی غالب رہے گا۔ پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے۔ ابھی اُن کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگلے جاتا ہے۔ یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، خواہ کسی شان سے وہ آئے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام بشری تقاضوں کے تحت ایک مرتبہ تو اس جادو کو دیکھ کر ٹھٹک ہی گئے۔ سو اندیشے دل میں آتے ہوں گے، لیکن قربان جائیے اُس رحیم و کریم ذات کے کہ اپنے بندوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔ طلب کرنے سے پہلے اپنی مدد سے نوازتا ہے۔ جوں ہی آدمی اپنے آپ کو بالکل ہی بے یار و مددگار پاتا ہے اُس ہی آن اُسے یاد دلا دیتا ہے کہ تیرا پشت پناہ کہیں چلا نہیں گیا ہے، ہر آن اور ہر لحظہ تیرے ساتھ ہے۔ چنانچہ جوں ہی موسیٰ علیہ السلام کو کچھ خوف لاحق ہوا، انھیں تسلی دی اور عصائے موسوی کو استعمال کرنے کی ہدایت کی۔

موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ خدائی نوید سُنی تو سنبھلے، ان کا سارا خوف کافور تھا۔ سنبھل کر جادوگروں کو للکارا:

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِہِ السِّحْرُ ط اِنَّ اللّٰہَ سَیُبْطِلُہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ○ وَیُحِقُّ اللّٰہُ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ○

(یونس : ۸۱ تا ۸۲)

"پھر جب انھوں نے اپنے انچھر پھینک دیے تو موسیٰؑ نے کہا" یہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے یہ جادو ہے، اللہ ابھی اسے باطل کیے دیتا ہے، مفسدوں کے کام کو اللہ سدھرنے نہیں دیتا اور اللہ اپنے فرمانوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے، خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار ہو۔"

یہ وہ اعلانِ حق تھا جو موسیٰ علیہ السلام نے بیچ میدان میں کیا۔ یہاں آپ نے اللہ تعالیٰ کی اس سنّت کو بتایا کہ باطل بظاہر کتنی ہی قوت سے کیوں نہ آئے اور ظاہر بین آنکھوں کو اس کی عظمت وسطوت کیسی ہی ناقابلِ تسخیر کیوں نہ نظر آتی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ اُس کو مٹا کر رہتا ہے اور علانیہ اس کا باطل ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ حق بظاہر کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اور اس کے مخالف، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کے مجرم اور باغی ہیں، کتنے ہی زور آور کیوں نہ ہوں لیکن ان سب کے علی الرغم اللہ تعالیٰ حق کو حق ثابت کر دیتا ہے اور دیکھنے والوں پر اتمامِ حجّت کر دیتا ہے کہ اب یہ لوگ حمایتِ حق کے لیے تیار ہوتے ہیں یا نہیں؟ پھر یہ کہ مفسدین، جو اللہ کے بتائے ہوئے راستہ کو چھوڑ کر اپنی من مانی کرنے پر اُتر آتے ہیں، جو چال بھی چلتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن ہی پر اُس کو اُلٹ دیتا ہے اور ان کا ہر کام بنانے کی بجائے مزید بگاڑتا ہوا چلا جاتا ہے اور بالآخر اسی کیفرِ کردار کو پہنچ جاتے ہیں جس کے وہ مستحق ہیں۔

یہاں ایک مومن اور ایک کافر کے اندازِ فکر کا کھلا کھلا فرق نظر آتا ہے۔ جادوگر آتے ہیں اور اپنے خیالی معبود، فرعون کی عزّت کی قسم کھاتے ہیں اور اُس کے اقبال کا سہارا لیتے ہیں۔ اس کے برعکس موسیٰ علیہ السلام اِس نازک وقت پر بھی اپنی تدبیر یا کسی دوسری طاقت پر بھروسہ کرنے کے بجائے اپنی توجّہ ذاتِ الٰہی پر مرکوز کرتے ہیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی مایوسی یا ناامیدی ان کے پاس پھٹکنے نہیں پاتی، بلکہ خدائی نصرت اور مدد پر ان کا یقین اور بڑھ جاتا ہے اور نویدِ الٰہی کی حقانیت پر یقینِ کامل سے سرشار ہو جاتے ہیں۔

اِس اعلانِ حق کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے وحیِ الٰہی کے مطابق اپنا عصا

میدان میں پھینکا۔ پھر کیا ہوا اس کو قرآن ہی کی زبان سے سُنیئے۔ ارشاد ہوا :

فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۝

(الشعراء : ۴۵)

"پھر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جا رہا تھا"

دوسری جگہ اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی :

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ ۝

(الاعراف : ۱۱۷ تا ۱۱۹)

"ہم نے موسیٰ کو اشارہ کیا کہ پھینک اپنا عصا۔ اس کا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ اُن کے اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا۔ اس طرح جو حق تھا وہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ انھوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔ فرعون اور اُس کے ساتھی میدان مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور (فتح مند ہونے کے بجائے) اُلٹے ذلیل ہو گئے"

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کے اُس اعلانِ حق کو سچ کر دکھایا جس کا اُس نے بھرے میدان میں انتباہ کیا تھا۔

اب کیا تھا، ایک لحہ میں وہ سب تماشہ ختم ہو گیا جسے دیکھنے ایک خلقت گئی تھی۔ باطل کا مکر و فریب ہوا ہو گیا اور بھرے مجمع میں حق کامیاب و سُرخرو ہوا۔ میدان میں جادوگروں کی رسّیاں اور لاٹھیاں بے جان پڑی تھیں۔

اب لوگوں کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے، یا تو اس حق کو جو اَب بالکل واضح ہو گیا تھا قبول کر لیں اور مصلحتوں کے چکّر سے نکل کر اور انجام سے بے پروا ہو کر اس قبولِ حق کا برملا اظہار کریں یا پھر پوری ڈھٹائی اور بے حیائی سے

اس حق کو ماننے سے پھر انکار کر دیں اور اس کو مٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں۔ اب کوئی درمیانی راستہ باقی نہ رہا تھا۔ اور ہوا بھی یہی۔

جادوگروں کا قبولِ حق

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ (الشعراء: ۴۶ تا ۴۸)

"اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اُٹھے کہ مان گئے ہم رب العٰلمین کو۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب کو۔"

سورۃ الاعراف میں اس واقعہ کو تقریباً ان ہی الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ (آیت: ۱۲۰ تا ۱۲۲)

"اور جادوگروں کا حال یہ ہوا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انھیں گرا دیا۔ کہنے لگے "ہم نے مان لیا رب العٰلمین کو، اُس رب کو جسے موسیٰؑ اور ہارونؑ مانتے ہیں۔"

سورہ طٰہٰ میں مختصراً یوں بیان کیا گیا ہے:

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ (آیت: ۷۰)

"آخر کو یہی ہوا کہ سارے جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے اور پکار اُٹھے "ہم نے مان لیا ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب کو۔"

وہی جادوگر جو چند لمحات پہلے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے اور انھیں نیچا دکھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، اب حقیقت پا گئے تھے۔ حق اُن کے سامنے اب واضح شکل میں آگیا تھا۔ جادو کی حقیقت خود اُن سے زیادہ کون جانتا تھا، انھوں نے دیکھ لیا کہ یہ جادو نہیں کارِ نبوت ہے۔

حق جاننے کے بعد پھر کوئی دُنیاوی مصلحت یا مادی منفعت اُن کے آڑے نہ آئی۔ بزدلوں یا مصلحت کوشوں کی طرح انھوں نے نہ تو چپ سادھی اور نہ ہی خاموش رہے، بلکہ وہ مردانہ کردار ادا کیا جو اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندۂ مومن میں دیکھنا چاہتا ہے۔ انھوں نے نہ صرف حق کو قبول کیا بلکہ اس کا برملا اظہار بھی کیا۔ وہ چاہتے تو اپنے ایمان کو چھپا سکتے تھے اور چپکے سے حضرت موسٰی علیہ السّلام کے سامنے اقرار کر سکتے تھے، لیکن یہ اُس جذبۂ حریت و عزیمت کے منافی تھا جس کے تحت وہ ایمان لائے تھے۔ صدق دلی کے ساتھ دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے کبھی خطروں اور اندیشوں کی وجہ سے راہِ فرار اختیار نہیں کرتے۔ چنانچہ انھوں نے وہی رویّہ اختیار کیا جو ہر صادق الایمان انسان کرتا ہے۔ دعوتِ حق قبول کی اور اس کا کھُلم کھُلا اظہار بھی کیا۔ اب جو ہونا ہے وہ ہو جائے۔

اِس بھرے مجمع میں جادوگروں کے قبولِ ایمان نے نہ صرف فرعون کی ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا بلکہ اس کی خدائی پر بھی ایک کاری ضرب لگائی اور مشیّتِ الٰہی نے اُس کی چال کو اُس ہی پر پلٹ دیا۔ کہاں وہ سوچتا تھا کہ موسٰی علیہ السّلام کی شکست پر اُن کی ساری نبوت دھری کی دھری رہ جائے گی اور مصر میں اس دعوت کی قبر ہی بنے گی، دو دن میں اِس نئے دین اور اس کے داعی کو ملیامیٹ کر دوں گا اور کہاں اب اُسے لینے کے دینے پڑ گئے۔ اب تو اُسے اپنے تاج و تخت اور اپنی خدائی کے بچانے کی فکر پڑ گئی۔

حکمتِ خداوندی کا یہ بھی ایک پہلو ہے (جس سے بہت سے ظاہر بین غافل ہی رہتے ہیں) کہ دشمنانِ دین، اس دین کو مٹانے کے لیے جو تدابیر اختیار کرتے ہیں، وہی ان کی قبریں کھودتی ہیں۔ روزِ روشن میں اور کھُلے میدان میں حضرت موسٰی علیہ السّلام کو جو فتحِ مبین حاصل ہوئی تھی اُس نے فرعون کا قصرِ خداوندی دم بھر میں ڈھیر کر دیا۔ اب ہر شخص یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا کہ حق حضرت موسٰی علیہ السّلام ہی کے ساتھ ہے، فرعون کے پاس جبر، تشدّد، مکر اور فریب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

پورے ملک میں موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا تعارف ایک فاتح مسلک و نظریہ کی حیثیت سے ہوا اور لوگوں کی اکثریت نے چاہے اس کا اظہار نہ کیا ہو، لیکن دل ہی دل میں اس دعوت کی حقانیت کی قائل ہو گئی۔

یہ صورتِ حال فرعون کے لیے قطعی غیر متوقع، پریشان کن اور بوکھلا دینے والی تھی۔ وہ اِس شکستِ فاش پر جھنجھلا اٹھا اور غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ لیکن محض غضب ناکی اور جھنجھلاہٹ اس کا مداوا نہ تھی۔ اس نے اپنے مکر و فریب کا پٹارہ پھر کھولا اور ایک نیا داؤ نکال کر لایا۔ فوراً ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن جادوگروں پر سازش کا سنسنی خیز الزام لگایا تاکہ عوام کی توجہ فوری طور پر اصل مسئلہ سے ہٹ کر اِدھر اُدھر کی بحثوں میں الجھ جائے۔

فرعون کی دھمکیاں اور الزام تراشیاں

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝

(طٰہٰ : ۷۱)

"فرعون نے کہا "تم ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمھیں اس کی اجازت دیتا؟ معلوم ہو گیا کہ یہ تمھارا گرو ہے جس نے تمھیں جادوگری سکھائی تھی۔ اچھا، اب میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواتا ہوں اور کھجور کے تنوں پر تم کو سُولی دیتا ہوں۔ پھر تمھیں پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے (یعنی مَیں تمھیں زیادہ سخت سزا دے سکتا ہوں یا موسیٰؑ)۔"

یہی بات سورۃ الشعراء میں بھی بیان کی گئی ہے:

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ

لَکَبِیۡرُکُمُ الَّذِیۡ عَلَّمَکُمُ السِّحۡرَ ۚ فَلَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۚ (آیت: ۴۹)

"فرعون نے کہا "تم موسیٰؑ کی بات مان گئے قبل اس کے کہ مَیں تمہیں اجازت دیتا! ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ ابھی تمہیں معلوم ہُوا جاتا ہے، مَیں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سُولی چڑھا دوں گا۔"

سورۃ اعراف میں اس کی دھمکیوں اور الزامات کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے:

قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ ۚ اِنَّ ہٰذَا لَمَکۡرٌ مَّکَرۡتُمُوۡہُ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لِتُخۡرِجُوۡا مِنۡہَاۤ اَہۡلَہَا ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۔ لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۔ (آیات: ۱۲۳-۱۲۴)

"فرعون نے کہا "تم اس پر ایمان لے آئے قبل اِس کے کہ مَیں تمہیں اجازت دوں؟ یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اِس دارالسلطنت میں کی تاکہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو۔ اچھا، تو اس کا نتیجہ اب تمہیں معلوم ہُوا جاتا ہے۔ مَیں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور اس کے بعد تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔"

فرعون کی یہ دھمکیاں اور یہ الزام تراشیاں، ایک بدطینت اور بپھرے ہوئے بدمست اقتدار کی پوری عکاسی کرتی ہیں۔ جب اقتدار کی تلوار ظالم و جابر، بدطینت اور کم ظرف حکمرانوں کے ہاتھوں میں ہو اور وہ شکست کھا کر بپھرے ہوئے بھی ہوں تو جو کچھ بھی کر گزریں کم ہے۔ ان کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ پہلے مخالفین پر سنسنی خیز الزامات لگا کر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں، پھر جبر و تشدد کی دھمکیاں دے کر مرعوب کرنے کی کوششیں کرتے ہیں، جب اس سے بھی کام نہیں چلتا تو بدترین

قسم کا ظلم وستم توڑتے ہیں۔

یہی حربہ فرعون نے استعمال کیا۔ پہلے سازش کا سنگین الزام لگایا اور ساتھ ہی ساتھ بدترین قسم کے جبر و تشدّد کی دھمکی بھی دے ڈالی۔ لیکن اِن تدبیروں سے

"اِس جنونِ عشق کے انداز چھُٹ جائیں گے کیا؟"

آئیے، اب ذرا فرعون کی اس چارج شیٹ اور دھمکیوں کا جائزہ لیں۔

(۱) اُس نے پہلا الزام یہ لگایا کہ یہ سارا مقابلہ 'نُورا کُشتی' کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ جادوگر اور حضرت موسٰی علیہ السّلام پہلے سے ملے ہوئے تھے، یہ جادوگر چونکہ موسٰی علیہ السّلام کے شاگرد تھے اس لیے وہ اپنے گرُو کا مقابلہ کیسے کر سکتے تھے۔

(۲) چونکہ یہ ملّی بھگت ایک سازش کا نتیجہ تھی اس لیے اِسے مدارِ حق و باطل نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ پہلے جو لوگوں سے کہا جا رہا تھا کہ یہ حق و باطل کا مقابلہ ہے، اور شاید ہمارا دین بچ جائے، یہ الزام اُس چیلنج سے فرار کا راستہ تھا۔

(۳) جادوگروں اور موسٰی علیہ السّلام نے یہ سازش اس لیے کی تھی کہ اس ملک کے فرزندوں، قبطیوں، کو ان کے اقتدار سے محروم کر دیا جائے۔ یہ کہہ کر اُس نے نسلی تعصّب کو بھڑکانے کی کوشش کی۔ اِس ہی الزام سے اُس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ موسٰی علیہ السّلام کا یہ سارا 'کھیل' اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اقتدارِ باطل کے سارے ہی حاملین، صلحاء پر ہمیشہ یہی الزام لگاتے آئے ہیں کہ ان کی ساری تگ و دَو اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہے۔

(۴) اُس نے رعایا کو یہ بھی بتانے کی کوشش کی کہ اُسے دین پر چلنے یا بدلنے کی اسی حد تک اجازت ہے جس حد تک سرکار والا مدار کے اقتدار پر آنچ نہیں آتی۔ سرکار کی مرضی کے بغیر دین پر چلنا تو بڑی چیز ہے اس کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

(۵) بدترین تشدّد کی دھمکیاں دے کر ایک طرف تو جادوگروں کو قبولِ حق سے

روکنے کی کوشش کی اور دوسری طرف اُن سب لوگوں کو متنبہ کر دیا جو اِس نئی دعوت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ اگر یہ گستاخی کی تو ایسی ہی سزا کے مستحق ہو گے۔

(۶) تشدد کی دھمکیاں دے کر فرعون چاہتا تھا کہ جادوگروں سے اقبالِ سازش کرالے تاکہ اِس شکست سے جو اثرات مترتب ہوئے تھے وہ سب دُھل جائیں اور اِس نئی دعوت کی اخلاقی ساکھ اُکھڑ جائے۔

جادُوگروں کی استقامت و عزیمت

فرعون کی اِن عتاب آمیز دھمکیوں کا اِن نَو مُسلموں (جادُوگروں) نے جس مومنانہ عزیمت سے مقابلہ کیا وہ اُس جواب سے پوری طرح ظاہر ہوتا ہے جو انھوں نے فرعون کو اِس مجمعِ عام میں دیا۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ (طٰہٰ: ۷۲)

"جادوگروں نے جواب دیا" قسم ہے اُس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آجانے کے بعد بھی (صداقت پر) تجھے ترجیح دیں۔ تو جو کچھ کرنا چاہے کرلے۔ تُو زیادہ سے زیادہ بس اِسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔"

فرعون کی خوفناک دھمکیوں کا یہ جرأت مندانہ جواب، منہ توڑ جواب بھی تھا اور جوابی چیلنج بھی۔ انھوں نے کہا کہ تُو ہمیں اِس دُنیاوی زندگی کے انجام کے بارے میں ڈراتا ہے تو اس کا جواب بھی سُن لے:

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۲۵-۱۲۶)

"انھوں نے کہا" بہر حال ہمیں پلٹنا اپنے رب ہی کی طرف ہے۔
تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ
ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آگئیں تو ہم نے انھیں
مان لیا۔ اے رب ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس
حال میں کہ ہم تیرے فرماں بردار ہوں۔"

یہاں انھوں نے زندگی کے بارے میں نہ صرف اپنے عقیدہ کا اعلان کیا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوائے نبوت کی بھرپور تائید کی اور اس کے اس پروپیگنڈہ کی ہوا نکال دی کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر ہیں۔

پھر اپنے ایمان لانے کی وجہ بتائی کہ:

قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ
يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء: ۵۰، ۵۱)

"انھوں نے کہا "کچھ پروا نہیں، ہم اپنے رب کے حضور پہنچ
جائیں گے اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دیگا
کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں۔"

دوسری جگہ اس کی مزید تفصیل آئی ہے۔ انھوں نے کہا:

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ
مِنَ السِّحْرِ ط وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ (طٰہٰ: ۷۳)

"ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے، تاکہ وہ ہماری خطائیں
معاف کر دے اور اس جادوگری سے، جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا
تھا، درگزر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا
ہے۔"

جادوگروں کے ان جوابات سے دراصل ہمارے سامنے وہ معیارِ مطلوب آتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ ہر مومن و مسلم کو دیکھنا چاہتا ہے۔ یہی مومنانہ کردار

ہے جس کا مظاہرہ ہر مومن کی زندگی میں درکار ہے۔ فرعون وکلیمؑ کی داستانِ کش مکش کا یہی وہ ایمان افروز پہلو ہے جس کو نمایاں کرنے کے لیے بار بار اس واقع کو دُہرایا گیا ہے۔ یہاں مومنین مخلصین کو دو ٹوک الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے کس سیرت و کردار کا مطالبہ کرتا ہے۔ ہر زمانے اور ہر مقام کے مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ جب ظلم و ستم کی آندھیاں چل رہی ہوں، جب نشۂ اقتدار میں بدمست حکمران جبر و تشدّد کے انتہائی ذلیل ہتھیار استعمال کرنے پر اُتر آئیں اور جاں بخشی کے عوض تمھاری وفاداریاں اور تمھارا ایمان خریدنے کی کوشش کریں تو اُن ظالموں کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ سر دینا قبول کرو لیکن ہاتھ میں ہاتھ دینا برداشت نہ کرو۔

چنانچہ جادوگروں نے جو جواب دیا وہ تاریخ انسانی میں مومنانہ عزیمت و کردار کی ایک زرّیں مثال ہے۔ انھوں نے بتایا کہ باغیرت، باضمیر اور با اصول انسان کے لیے (اور مومن سے بڑھ کر باغیرت و باضمیر اور کون ہو سکتا ہے؟) یہ آسان ہے کہ وہ موت کو اس کی بدترین شکل میں قبول کرلے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ وہ حق کو جان لے اور پہچان لے، محض مادّی فوائد اور آسائشوں کی خاطر یا دُنیاوی آزمائشوں اور تکلیفوں کے ڈر سے اُس حق سے دستبردار ہو جائے۔ جابر سے جابر مطلق العنان حاکم کا ظلم و ستم صرف اُس ہی وقت تک جاری رہ سکتا ہے جب تک اِس جسمِ فانی میں جان ہے، جس دم یہ رُوح اِس جَسدِ خاکی سے پرواز کرگئی پھر کسی کا اُس پر زور نہیں چل سکتا۔ یہ دُنیاوی زندگی چند روزہ ہے۔ حد سے حد آدمی سو ڈیڑھ سو سال زندہ رہ سکتا ہے۔ اِس عرصے میں جتنے مظالم چاہے ڈھالے (حالانکہ اس پر بھی کوئی انسان قدرت نہیں رکھتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو) اس کے بعد بڑی سے بڑی قوت بھی عاجز و مجبور ہے۔ پس بڑا ہی نادان ہے وہ شخص جو اپنی عارضی زندگی کو بچانے کے لیے اپنی دائمی زندگی کو خراب کرلے۔ اس ہی لیے انھوں نے کہا:

"اے فرعون، جو کچھ تجھے کرنا ہے کر ڈال۔
یہ جرم ہے تو اِس جرم کو سو بار کریں گے۔"

یہ ایمان کا اظہار کسی سازش کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اُس جرم کا کفارہ ہے جو حق کی مخالفت کرنے اور اُس کے مقابلہ میں آنے سے سرزد ہوا ہے۔ جہاں تک دوام و بقاء کا تعلق ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جو قائم و باقی رہے گی، اُس کے سوا ہر ذات کو فنا ہے۔ سزا بھی اُس ہی کی باقی رہے گی اور جزا بھی اُس ہی کی۔ اِس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ‌ ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ۝ وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓـئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَكّٰى ۝ (طٰہٰ: ۷۴ تا ۷۶)

"حقیقت یہ ہے کہ جو مجرم بن کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا اُس کے لیے جہنم ہے۔ جس میں وہ نہ جیے گا نہ مرے گا۔ اور جو اُس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں۔ سدا بہار باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اُس شخص کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔"

یعنی حقیقی مجرم شخص نہیں ہے جو پاکیزہ زندگی بسر کر کے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو اور اسی جدوجہد میں برسرِ اقتدار طبقہ کے زیرِ عتاب ہو اور اُس کی نظر میں مجرم گردانا گیا ہو۔ بلکہ حقیقی مجرم وہ ہے جو لوگوں کو خوش کرنے کے لیے یا اُن سے خوف کھا کر اپنے مالکِ حقیقی ــــ اللہ ربّ العالمین ــــ

کی نافرمانی کرنے لگے۔ ایسا شخص ممکن ہے کہ اِس دنیا کی چند روزہ زندگی میں کچھ عیش کرلے لیکن بالآخر ایک دن مالکِ حقیقی کے حضور پیش کیا جائے گا اور اُس دن اُس کی حیثیت ایک ایسے مجرم کی ہوگی جو ہر سہارے، ہر سفارش اور رہائی کی ہر سبیل سے محروم ہوگا۔ جو لوگ اِس حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود محض مادّی فوائد کی خاطر یا لوگوں کے ڈر سے اِس کو نہ صرف اختیار ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو دبانے اور مٹانے کی کوششوں میں بھی برابر کے شریک ہوتے ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا عذابِ جہنم تیار کیا ہے جس سے گلوخلاصی کی کوئی اُمید نہیں۔

اللہ کے مجرم کی سزا اور ہی کچھ ہے۔

بھڑکتے ہوئے شعلے اس کی خاطر تواضع کریں گے، اُس کی کھال جل جل کر اُدھڑ جائے گی اور پھر دوبارہ نئی کھال بنا دی جائے گی تاکہ اُس عذاب میں کوئی کمی واقع نہ ہو جس میں اُسے مبتلا کیا گیا تھا۔ اُسے رال اور گندھک کا لباس پہنایا جائے گا تاکہ اُس کے جلنے میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ جس زندگی کو بچانے کے لیے اُس نے اتنے پاپڑ بیلے تھے وہی زندگی وہاں اُس کے لیے وبالِ جان ہوگی۔ شدتِ تکلیف سے وہ مرجانا پسند کرے گا، چاہے گا کہ کسی طرح یہ جان نکل جائے لیکن کسی طرح بھی وہ مر نہ سکے گا۔ زندگی اُسے حاصل ہوگی لیکن موت سے بدتر۔ وہ تڑپے گا، چیخے گا، سر پٹخے گا لیکن بھاگنے کا کوئی راستہ نہ پائے گا (اعاذنا اللہ منھا)۔ اب اگر کوئی اِس دردناک انجام سے بچنا چاہتا ہے تو اُس کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اس کو دُنیاوی زندگی کی صورت میں جو مُہلتِ عمل ملی ہے اُسے پاکیزہ اعمال سے مزین کرے۔ حمایتِ حق میں اگر جان جاتی ہے تو جائے لیکن باطل کی حمایت میں کوئی قدم نہ اُٹھ سکے۔ دنیا بھر کی حکومتیں اُسے باغی قرار دیں، وہ اِسے ہنسی خوشی منظور کرے لیکن ایک اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ جنھوں نے اُس کی اطاعت و فرماں برداری کا راستہ پسند کیا ان کے لیے ایسا عیشِ دوام ہے جسے زوال کا کوئی خطرہ نہیں۔

ان آیات پر غور کرنے سے ہمارے سامنے جو نتائج آتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) حق اور باطل کی آویزش آج کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ معرکۂ خیر و شر شروع ہی سے برپا رہا ہے اور برپا رہے گا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی (اقبالؒ)

(۲) حق اور باطل میں جب بھی فیصلہ کن معرکہ ہوگا تو ہمیشہ حق ہی کا بول بالا ہو کر رہے گا۔

(۳) علمبردارانِ حق پر ہمیشہ سے "اقتدار کی ہوس" کا الزام لگایا جاتا رہا ہے اور برسرِ اقتدار طبقہ ہمیشہ ہی سے اپنے آپ کو اقتدار کا حقدار سمجھتا رہا ہے اور اہلِ حق پر جھوٹے پروپیگنڈے کا وار کرتا رہا ہے۔

(۴) باطل اقتدار کے تحت، اہلِ حق ہمیشہ ہی ستائے گئے ہیں۔

(۵) مومن کا معیارِ مطلوب یہ ہے کہ راہِ حق میں جو کچھ بھی پیش آئے اس کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور کسی حالت میں حق کا دامن نہ چھوڑے۔

(۶) حقیقی مجرم وہ ہے جو خدا کی نافرمانی کرے چاہے اس کی دنیاوی زندگی کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو۔ بالآخر اس کا انجام ایسا دردناک ہوگا جس سے ہر شخص پناہ مانگے۔

شکست کے بعد انتقامی مہم

ہزاروں لاکھوں افراد کے سامنے حضرت موسٰی علیہ السلام کے ہاتھوں اِس ذلت آمیز شکست کھانے اور جادوگروں کی بے مثال عزیمت و استقامت دیکھنے کے بعد، فرعون غصّہ کے مارے آپے سے باہر ہو گیا۔ اب اُسے اِس دعوت کی کامیابی، ایک عظیم الشان 'خطرہ' بن کر صاف نظر آرہی تھی، اب اُس کے لیے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ وہ اِس 'خطرہ' سے صرفِ نظر کرلے اور اپنی رعایا اور اپنے اقتدار کو اِس سیلاب میں بہہ جانے دے۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی اپنی کابینہ (Cabinet) کا اجلاس طلب کیا اور اُس سے اِس 'خطرہ' کے دفعیہ کے لیے مشورہ طلب کیا۔

درباریوں کے مشورے

یہ 'خدامانِ ذلی'، جو طبقۂ وزراء سے تعلق رکھتے تھے، کب اِس بات کو گوارا کرسکتے تھے کہ جس شخص سے اُن کے 'حضور والاجاہ' کا اقبال خطرہ میں پڑتا نظر آتا تھا، اس کو زندہ رہنے دیتے۔ انھیں تو صاف نظر آرہا تھا کہ 'حضور' کے ساتھ اپنی بساط بھی لپیٹ جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے یک زبان ہو کر اِس خطرہ کو مٹانے کے لیے فرعون کو اُکسایا:

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ط

(الاعراف : ۱۲۷)

"فرعون سے اُس کی قوم کے سرداروں نے کہا "کیا تو موسٰیؑ اور

اُس کی قوم کو یُوں ہی چھوڑ دے گا کہ ملک میں فساد پھیلائیں اور وہ تیری اور تیرے معبودوں کی بندگی چھوڑ بیٹھے ؟"

فرعون جو نشۂ اقتدار میں بدمست تھا اور ہر اختلاف و مزاحمت کا ایک ہی علاج جانتا تھا، بولا میں اِن سے نمٹنے کے لیے بہت سے داؤ رکھتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے اپنے مکر و فریب اور ظلم و تشدّد کے پٹارے کو کھولا اور کہا لو سُنو :

تشدّد کا نیا دَور

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ (الاعراف : ۱۲۷)

"بولا، مَیں اُن کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا اور اُن کی عورتوں کو جیتا رہنے دوں گا۔ ہمارے اقتدار کی گرفت اُن پر مضبوط ہے۔"

آخر تھا نہ اُسی ہی باپ کا بیٹا جس نے حضرت موسٰی علیہ السّلام کی پیدائش کے وقت قتلِ عام کرایا تھا، اب اپنے باپ کی رَوش پر کیسے نہ چلتا؟ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ ظلم و تشدّد کے ہتھیار کتنے ناکارہ ہوتے ہیں، اُس کی ساری تدبیروں کے باوجود موسٰی علیہ السّلام نہ صرف پیدا ہوئے بلکہ خود اُسی ہی نے ان کی پرورش بھی کی، لیکن افسوس ہے کہ ظالموں کی آنکھیں کبھی نہیں کُھلتیں اور وہ کسی بات سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اُن کی کھوپڑی میں یہ بات سما ہی نہیں سکتی کہ حق کا مقابلہ جبر و تشدّد کے اوچھے ہتھیاروں سے نہیں کیا جا سکتا۔

غرض ایک بار پھر ظلم کی چکّی چلنے لگی اور بنی اسرائیل اُس میں پسنے لگے۔ اس متشدّدانہ ماحول میں جب کہ چاروں طرف دار و گیر ہو، قتل گاہیں اور سُولیاں علمبردارانِ حق کے لیے سجائی گئی ہوں اور ہر سُو خوف و ہراس پھیلا ہو، ایمان لانا اور اُس کا اظہار کرنا موت کو دعوت دینے کے مُترادف تھا۔ ہر ایک کے بس کا یہ کام نہ تھا کہ وہ موسٰی علیہ السّلام کا ساتھ دینے کی ہمّت کرتا۔ جہاندیدہ اور عمر رسیدہ لوگ کونوں میں دبک کر بیٹھ گئے۔ یہ جانتے ہوئے کہ موسٰی علیہ السّلام

جس دعوت کو پیش کر رہے ہیں وہ سراسر حق ہے، یہ دیکھتے ہوئے کہ موسیٰؑ ان کے محسن ہیں اور ان کی نجات کے لیے کوشاں ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے ہم قوم بنی اسرائیل، ان کی حمایت کرنے اور ان کی دعوت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ تاریخ میں پہلے بھی کئی ہی بار ایسا ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوگا کہ قوم جبر و تشدد کے خوف سے اپنے محسنوں سے منہ موڑ لیتی ہے اور ہر ظالم و جابر کے سامنے سر جھکا دیتی ہے۔

نوجوانوں کی جرأتِ ایمانی

فرعون اپنا کام کرتا رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت پھیلانے میں مشغول رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت دلوں میں گھر کرتی رہی لیکن اس پُرخطر ماحول میں کس کو یارا تھا کہ اپنے ایمان کا اعلان کرتا۔ البتہ اُن کی قوم کے چند جرأت مند نوجوان آگے بڑھے اور اُنھوں نے دین کا جھنڈا اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عزیمت کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

(یونس: ۸۳)

"موسیٰؑ کو اس کی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا، فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کے ڈر سے (جنھیں خوف تھا کہ) فرعون ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر رُکتے نہیں ہیں۔"

دراصل کسی قوم کا سرمایہ اُس کے نوجوان ہی ہوتے ہیں۔ کسی معاشرے کا نوجوان طبقہ ہی ہے جو کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتا اور جس چیز کو حق سمجھ

لینا ہے اس کے لیے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ ان کو نہ کھانے کی فکر ہوتی ہے نہ پہننے کی، نہ گھر بار کی فکر ہوتی ہے نہ کنبے کی، خون گرم ہوتا ہے اور قربانی دینے کا جذبہ، جس کا ساتھ دیا اس کے لیے مر مٹے۔ اس ہی لیے یہ نوجوان فرعون کے سارے طنطنے اور دبدبے کے باوجود، اپنے قبولِ حق کو چھپانے کے لیے آمادہ نہ ہو سکے۔ بڑے بوڑھوں نے مشورہ دیا، اپنے جان و مال کی دہائی دی کہ کم بختو ہمیں کیوں مرواتے ہو، لیکن انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ یہ بڑے بوڑھے جنھیں عقلِ عیّار کا وافر حصّہ ملتا ہے، ہمیشہ ہی نوجوانوں کو راہِ حق سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سو اندیشے سجھاتے ہیں، اونچ نیچ بتاتے ہیں، مصلحتِ وقت کے تقاضے بیان کرتے ہیں اور حق کو حق جاننے کے باوجود نہ اس کو ماننے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور نہ اس کی خاطر کسی خطرے کو مول لینا چاہتے ہیں۔ خود تو یہ توفیق حاصل نہ ہوئی کہ حق کو قبول کرتے اور اس کی حمایت کی سعادت حاصل کرتے، الٹا ان نوجوانوں کو باز رکھنے کے جتن کرنے لگے۔

یہی حال حضورؐ کے زمانہ میں تھا۔ آپؐ پر جو لوگ ایمان لائے ان میں زیادہ تر جوان اور نوجوان ہی لوگ تھے۔ یہی حال موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں تھا، یہی حال اب ہے اور یہی حال آئندہ بھی ہمیشہ ہوگا۔

یہاں داعیانِ حق کے لیے واضح اشارہ ہے کہ انھیں اپنی دعوت کا رُخ کس کی طرف کرنا چاہیے۔ کوئی تحریک، کوئی نظریہ، کوئی مسلک نوجوانوں سے صرفِ نظر کر کے ترقی نہیں کر سکتا۔ اگر سر فروش ملیں گے تو یہیں سے، جاں نثار ملیں گے تو یہیں سے اور آتشِ نمرود میں کودنے والا عشق بھی ملے گا تو یہیں سے، اس لیے ایک داعیِ حق کو اپنی توجہ نوجوانوں پر خاص طور پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ یہی لوگ ہیں جو اس کی دعوت کا جھنڈا اٹھائیں گے اور اس کی آن قائم رکھنے کے لیے یا مر مٹیں گے یا اس کو کامیاب کر کے چھوڑیں گے۔

موسیٰ علیہ السّلام کی نصیحت

فرعونی ظلم کی چکی اور تیز ہوتی گئی جس میں یہ نوجوان اور وہ مصلحت کوش بوڑھے سب ہی پسنے لگے۔ نوجوانوں کو بے دریغ قتل کیا جانے لگا اور بوڑھوں کو مظالم کا نشانہ بنایا جانے لگا، عورتوں کو کنیز بنایا گیا۔ اِس دورِ وحشت میں جبکہ ہر شخص فرعونی مظالم سے لرزہ براندام تھا موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم کو عموماً اور اِن نوجوانوں کو خصوصاً نصیحت کی، تسلّی دی، ہمّت بندھائی اور وہ سبیل بتائی جس سے وہ اِن مظالم سے عہدہ برآ ہو سکتے تھے، فرمایا:

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ ۝ (یونس: ۸۴)

"موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ "لوگو، اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اُس پر بھروسہ کرو اگر مسلمان ہو۔"

یعنی ایک اطاعت گزار اور فرمانبردار مومن کا کام یہ نہیں ہے کہ جب مصیبت آئے تو وہ آہ و واویلا کرنے لگے اور حق سے توبہ کرکے ظالموں کے سامنے گھٹنے ٹیک دے۔ بلکہ اُسے اللہ پر پُورا اعتماد کرتے ہوئے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی نصرت و مدد سے نوازے گا، ظالم کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اور اپنے مسلک اور نصب العین پر اور زیادہ سختی سے قائم ہو جانا چاہیے۔ نوجوانوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نصیحت کو دل سے قبول کیا اور اپنی مومنانہ عزیمت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

نوجوانوں کا عزم

فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

(یونس: ۸۵-۸۶)

"انھوں نے جواب دیا "ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، اے ہمارے

رب، ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافروں سے نجات دے۔"

اِس دُعا میں مومن کے اُس کردار کا بھرپور اظہار ہے جو مصائب کے موقعہ پر ہونا چاہیے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں، اللہ کے دین کی خدمت کے لیے نکلے ہوں ان کا حامی و مددگار اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ مشکل سے مشکل حالات میں ایک مومن کو اللہ پر پُورا بھروسہ کرنا چاہیے اور سب سے منہ موڑ کر صرف اُس ہی ایک ذات سے لَو لگانا چاہیے۔ مومن کا تکیہ نہ ہتھیاروں پر ہوتا ہے اور نہ اپنی جمعیت پر، اس کا سارا انحصار سراسر ذاتِ باری تعالیٰ پر ہوتا ہے۔

دی ایک جبیں تُو نے، تو وہ تیرے لیے ہے
اَوروں کے لیے لاؤں کہاں سے مَیں جبیں اور (نصراللہ خاں عزیز)

چنانچہ اُنھوں نے یکسُو ہو کر اللہ کا دامن تھام لیا اور اُس کی پناہ حاصل کرنے کے لیے صِدقِ دلی سے دعا مانگی کہ "اے ہمارے رب، ہمیں ظالموں کے لیے فتنہ نہ بنا"۔ یہ بڑی جامع دُعا ہے جو اس نازک موقع پر مانگی گئی۔

ایک ایسے خوفناک دَور میں جب کہ فسق و فجور اپنی پُوری قوّتِ قاہرہ سے مُسلّط ہو، ہر طرف ظلم و تشدّد کا دَور دَورہ ہو، اور ایمان لانا اور اس کا اظہار کرنا، موت کو بُلاوا دینے کے مترادف ہو تو اُن کو بھانت بھانت کے لوگوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔

ایک گروہ اُن مخالفین کا ہوتا ہے جو اقتدار کے تمام وسائل پر قابض ہوتا ہے۔ وہ اپنی پُوری قوت سے انھیں مٹانے پر تُل جاتا ہے اور اِس بازی میں ہر ذلیل سے ذلیل اور بد سے بدتر حربے اختیار کرنے میں کوئی تامّل نہیں کرتا۔

دوسرا گروہ ان مصلحت کوش "حق پسندوں" کا ہوتا ہے جو بزعم خود حق پسندی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کی حق پسندی صرف اُسی حد تک ہوتی ہے جس حد تک اقتدار کی جبین پر شکنیں نمودار نہ ہوں۔ وہ ہر اُس جرأتِ رندانہ کو

جو باطل سے ٹکرانے کے لیے کی جائے، حماقت اور جنون قرار دیتا ہے۔

تیسرا گروہ اُن بے شعور عوام کا ہوتا ہے جو کنارے پر کھڑا ہو کر تماشہ دیکھتا ہے اور ہر داؤ پر تالیاں بجاتا ہے اور بالآخر جو کامیاب ہوتا نظر آئے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑتا ہے اور اُس کے گُن گانے لگتا ہے۔

اِس کش مکش میں اگر خدانخواستہ کسی وقت یہ اہلِ ایمان شکست کھا جائیں یا کچل ڈالے جائیں تو یہ پہلا طبقہ ظلام ایک نعرۂ فاتحانہ بلند کرتا ہے۔ اُس کا فخر و غرور اور تکبّر اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ لاف زنی کرتا ہے اور اپنی وقتی کامیابی کو اپنے برسرِحق ہونے کی دلیل بناتا ہے۔

مصلحت کوش حق پسند طعنے دیتے ہیں کہ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ ان سے نہ ٹکراؤ لیکن ہماری ایک نہ سُنی اور اپنی شامت آپ بُلوائی۔ اور یہ پوری متنقیانہ شان سے ان مخلصین کے ایک ایک کام میں کیڑے نکال کر خود بھی اپنی بے ضمیری پر مطمئن ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی اِس "خطرناک" راہ پر آنے سے روکنے کا 'مقدّس' فریضہ انجام دیتا ہے۔

عوام النّاس اپنی بدعملیوں پر پردہ ڈالنے اور اپنی عافیت کا بندوبست کرنے کے لیے اہلِ حق کی اس شکست کو حق سے فرار کے لیے ایک اچھا بہانہ سمجھتے ہیں اور اپنی جان بخشی پر بغلیں بجاتے ہیں۔

یہ تینوں صورتیں ایسی فتنہ انگیز ہوتی ہیں کہ ایمان والوں کا جنازہ نکال دیتی ہیں اور خلق کی ایک کثیر تعداد کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔

پس ان نیک و مخلص مومنوں کی یہ دُعا بڑی ہی معنی خیز تھی کہ "اے رب ہمیں ظالموں کے لیے فتنہ نہ بنا۔"

اِن نوجوانوں نے صرف اِتنا ہی نہ کہا بلکہ دُعا مانگی کہ اے رب، اپنی رحمت سے اِس منکرِ حق قوم سے ہمیں نجات بھی دے، کیونکہ ان بدکاروں کا غلبہ انھیں راہِ حق میں ٹکنے نہ دے گا اور وہ اپنے ایمان کے تقاضوں کو پُورا نہ کر سکیں گے۔

بنی اسرائیل کی بزدلی

اِن پُرجوش نوجوانوں نے جس عزیمت کا اظہار کیا تھا، افسوس ہے کہ بنی اسرائیل کی بڑی تعداد اُس سے عاری تھی۔ وہ اِن مظالم کو دیکھ کر سخت بدحواس ہوئی اور اُس ظالم اقتدار کو دوامی سمجھ کر اپنے مستقبل سے مایوس ہو کر حضرت موسٰی علیہ السّلام کے پاس دوڑی آئی۔ موسٰی علیہ السّلام نے ایک بار پھر اُنھیں تسلّی دی اور سمجھایا کہ ۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (الاعراف : ۱۲۸)

"موسٰیؑ نے اپنی قوم سے کہا" اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور آخری کامیابی اُن ہی کے لیے ہے جو اُس سے ڈرتے ہوئے کام کریں۔"

یعنی اِس مصیبت کو تو صرف اللہ ہی ٹال سکتا ہے پس تم اُس ہی سے مدد مانگو اور اِس راہ میں جو تکلیف پہونچے اس پر صبر کرو، اُس کا مردانہ وار مقابلہ کرو اور اُس سے چمٹے رہو۔ ارے نادانوں، اِس اقتدار سے ڈرتے ہو جو چلتی پھرتی چھاؤں ہے، ابھی ہے تو پل بھر میں غائب۔ یہ اللہ کی مشیّت ہے کہ جسے چاہے اقتدار سپرد کرے۔ آج اگر فرعون کے پاس ہے تو کل تمھارے پاس بھی ہوگا۔ ارے ڈرو اُس خدا سے جو اِس زمین کا مالکِ حقیقی ہے اور مَیں تمھیں بتاتا ہوں کہ انجام کار وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

لیکن جو قوم صدیوں سے غلامی کی عادی ہو چکی ہو اور اُس پر راضی بھی ہو گئی ہو وہ، وہ دل گُردہ کہاں سے لاتی جو اللہ کی راہ میں کام کرنے والوں کے لیے درکار ہے۔ اگر اُسے خدا ہی پر بھروسہ ہوتا تو پھر موسٰی علیہ السّلام کی بھرپور حمایت نہ

کرتی اور اس دین کا جھنڈا بلند نہ کرتی جو اُسے اس قعرِ مذلت سے نکالنے آیا تھا؟

جو قوم موت سے ڈرنے لگے، بزدلی کو اپنا شعار بنا لے اور ذلت و مسکنت پر قانع ہو جائے اس کو کوئی بڑی سے بڑی طاقت حوصلہ نہیں دلا سکتی، خاص طور پر جبکہ اس کے مقابل میں ایک خونخوار ظالم اقتدار ہو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم ان تسلیوں سے کھڑی ہونے والی نہ تھی۔ وہ چیخی، چلائی، گڑگڑائی اور دہائی دی کہ:

قَالُوٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (الاعراف: ۱۲۹)

"انہوں نے دہائی دی کہ اے موسیٰ تیرے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے اور اب تیرے آنے پر بھی ستائے جا رہے ہیں۔"

حیف ہے اس قوم پر جو اپنے محسنوں کو اپنی بدبختی کا سبب سمجھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کی یہ حالت دیکھی تو ایک بار پھر انہوں نے مقامِ دعوت اور اس کے تقاضوں کو سمجھایا، اس کا مزاج اور اس کا انجام بتایا اور وہ بشارت دی جو ہر زمانے کے مومنین کے لیے مخصوص ہے۔ فرمایا:

نویدِ موسیٰ علیہ السلام

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۲۹)

"موسیٰ نے فرمایا "قریب ہے وہ وقت کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

یہ بشارت جو ان آیات میں بنی اسرائیل کو دی گئی تھی انہی کے لیے مخصوص نہ تھی۔ ازل سے لے کر ابد تک، تمام مومنین کے لیے یہ بشارت عام ہے کہ مومنین پر جب بھی ظلم و ستم ڈھایا جائے گا اور جبر و استبداد کا تختۂ مشق بنائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو یونہی بے یار و مددگار نہ چھوڑ دے گا۔ حالات کتنے ہی

مایوس کُن کیوں نہ ہوں، وہ وقت جلد آئے گا جب اُن ظالموں سے حساب لیا جائے گا۔ پھر یہی پسے ہوئے، لُٹے ہوئے، روندے ہوئے مومنین تختِ اقتدار کے وارث ہوں گے۔ تاریخ نے اللہ تعالیٰ کی اِس بشارت کی حقانیت پر کتنی ہی بار گواہی دی ہے اور ابھی کتنی ہی بار مزید دے گی۔ کامیابی کے بعد پھر اِن مومنین کی آزمائش شروع ہو جاتی ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ آیا یہ شکر گزاری کا راستہ اختیار کر کے اُس کے فرماں بردار بندے بنتے ہیں یا یہ بھی پھر اِن ہی ظالموں کی روش اختیار کرتے ہیں جن سے چھٹکارا دلا کر ان کو اقتدار عطا کیا تھا۔

قومِ فرعون پر عذاب

اب وہ وقت قریب آرہا تھا کہ مذکورہ بالا بشارت کا علیٰ رؤس الاشہاد مشاہدہ کرا دیا جائے۔ فرعون اور اس کی قوم کی آنکھیں کھولنے اور ان کے متکبرانہ تیور پر ان کو تنبیہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پے در پے انھیں ٹھوکریں لگائیں اور چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجے۔ ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۳۰ تا ۱۳۲)

"ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید ان کو ہوش آئے۔ مگر ان کا حال یہ تھا کہ جب اچھا زمانہ آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے مستحق ہیں، اور جب برا زمانہ آتا تو موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے لیے فالِ بد ٹھیراتے، حالانکہ درحقیقت ان کی فالِ بد تو اللہ کے پاس تھی، مگر ان میں سے اکثر بے علم تھے۔ انھوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ "تو ہمیں مسحور کرنے کے لیے خواہ کوئی نشانی لے آئے، ہم تو تیری بات ماننے والے نہیں۔"

جب کسی قوم کے برے دن آتے ہیں تو اس کی مت ایسے ہی ماری جاتی

ہے۔ اپنی شامتِ اعمال اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے لیکن اُسے اپنے اعمالِ بد دیکھنے کی توفیق نہیں ہوتی اور ہمیشہ دوسروں ہی کو موردِ الزام ٹھیراتی ہے۔ یہی حال اِن فرعونیوں کا تھا۔ بجائے اِس کے کہ یہ آفات و مصائب اُن کی آنکھیں کھولتے، انھوں نے اُلٹا موسیٰ علیہ السّلام پر الزام لگانا شروع کر دیے اور نہایت ہٹ دھرمی کا رویّہ اختیار کیا۔ کہنے لگے کہ یہ سب تیرے جادُو کی کارستانی ہے، تو کوئی بھی نشانی لے آ ہم تجھے ماننے والے نہیں۔ اپنے اعمال کی اصلاح تو درکنار انھوں نے یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی کہ ان کا رویّہ کتنا غیر معقول ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام کے معجزات کو مُسلسل جادُو کہہ کر جھٹلاتے چلے گئے۔ جب ہٹ دھرمی اور ضد کی یہ انتہا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ لو اب اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھو۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ○ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ج لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ○ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۳۳ تا ۱۳۵)

"آخر کار ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈی دل چھوڑے، سُرسُریاں پھیلائیں، مینڈک نکالے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں الگ الگ کر کے دکھائیں، مگر وہ سرکشی کیے چلے گئے اور وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے۔ جب کبھی اُن پر بلا نازل ہو جاتی تو کہتے "اے موسیٰؑ، تجھے اپنے رب کی طرف سے جو منصب حاصل ہے اُس کی بنا پر ہمارے حق میں دُعا کر، اگر اب کے تو ہم پر سے یہ بلا ٹلوا دے تو ہم تیری بات مان لیں گے

اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔" مگر جب ہم اُن سے اپنا عذاب ایک وقت مقرر تک کے لیے، جس کو وہ بہر حال پہنچنے والے تھے، ہٹا لیتے تو وہ یک لخت اپنے عہد سے پھر جاتے۔"

یہ اُس قوم کی انتہائی بدبختی، شقاوتِ قلبی اور ڈھٹائی تھی کہ خدا کا عذاب آتے دیکھتی، اس کا مزہ چکھتی، چیختی چلاتی اور توبہ کرنے کا وعدہ کرتی لیکن جب وہ عذاب ٹل جاتا تو پھر اُسی ہی ڈگر پر چلنے لگتی جس پر پہلے سے چل رہی تھی۔ سارے وعدے، ساری توبہ تِلا طاقِ نسیاں پر رکھ دی جاتی اور مزاحمت و مخالفتِ حق کی جو روش پہلے تھی وہ اب بھی ہوتی۔ اس قوم کی اِسی ہی ہٹ دھرمی کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا:

قومِ فرعون کی ڈھٹائی

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ (الزخرف: ۴۷ تا ۵۰)

"پھر جب اُس نے ہماری نشانیاں ان کے سامنے پیش کیں تو وہ ٹھٹھے مارنے لگے۔ ہم ایک پر ایک ایسی نشانی اُن کو دکھاتے چلے گئے جو پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی، اور ہم نے اُن کو عذاب میں دھر لیا تاکہ وہ اپنی روش سے باز آجائیں۔ ہر عذاب کے موقع پر وہ کہتے، اے ساحر، اپنے رب کی طرف سے جو منصب تجھے حاصل ہے اُس کی بنا پر ہمارے لیے دُعا کر، ہم ضرور راہِ راست پر آجائیں گے۔ مگر جوں ہی کہ ہم اُن پر سے عذاب ہٹا دیتے وہ اپنی بات سے پھر جاتے تھے۔"

اِس کٹ حجتی، بدعہدیِ، اللہ اور اس کے رسولؑ سے فریب و دغا بازی اور استہزاء و تضحیک کے نتائج سے موسٰی علیہ السّلام نے فرعون کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا اور اس کے انجامِ بد سے اس کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۱-۱۰۲)

"ہم نے موسٰیؑ کو نو نشانیاں عطا کی تھیں جو صریح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔ اب یہ تم خود بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب موسٰیؑ اُن کے ہاں آئے تو فرعون نے یہی کہا تھا نا کہ "اے موسٰیؑ، مَیں سمجھتا ہوں کہ تُو ضرور ایک سحر زدہ آدمی ہے۔"

موسٰیؑ نے اس کے جواب میں کہا "تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں ربّ السّماوات والارض کے سوا کسی نے نازل نہیں کی ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ اے فرعون، تو ضرور ایک شامت زدہ آدمی ہے۔"

لیکن موسٰی علیہ السّلام کی یہ بروقت تنبیہ اُس پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ جس شخص نے یہ طے کر لیا ہو کہ مان کر نہیں دینا ہے اُسے کوئی بڑی سے بڑی نشانی، حجت اور دلیل راہِ راست پر نہیں لا سکتی۔ وہ اپنی شامت کو منڈلاتے دیکھتا ہے لیکن اُس سے بچنے کی بجائے اُسے چیلنج دے دے کر بُلاتا ہے یہاں تک کہ اُس کی شامت پوری طرح آجاتی ہے اور وہ اپنے کیے کی سزا بھگت کر رہتا ہے۔

ذرا اس قوم کی مجرمانہ ذہنیت دیکھیے کہ اس کے سامنے کیسی کھلی کھلی نشانیاں آئیں اور کیسے کیسے خوفناک عذاب آئے لیکن ہر تنبیہ اور ہر عذاب اس کے جرائم میں اضافہ ہی کا سبب بنی۔

(۱) عصائے کلیمیؑ جو پل بھر میں پھنکارتا ہوا اژدہا بن جاتا ہے، ان کی نظر میں ایک جادوگر کا شعبدہ تھا۔

(۲) یدِ بیضاء جو بغل سے نکلتے ہی سورج کی طرح روشن ہو جاتا تھا، ایک کرشمۂ جادو سے زیادہ وقعت نہ پا سکا۔

(۳) جادوگروں کے مقابلہ پر موسیٰ علیہ السّلام کو فتح مبین حاصل ہوئی اور خود وہ جادوگر جن کی کامیابی کے ساتھ اِس قوم نے اپنی قسمت وابستہ کر رکھی تھی، ایمان لے آئے لیکن یہ جھٹلاتے ہی رہے۔

(۴) اس قوم پر شدید قحط آیا اور یہ لوگ دانے دانے کو ترس گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی دعا سے یہ قحط ٹلا۔ لیکن یہ انھیں ساحر ہی کہتے رہے۔

(۵) زبردست طوفانِ باد و باراں آیا، ژالہ باری نے فصلوں اور بستیوں کو تباہ کر دیا لیکن ان کی آنکھیں نہ کھلیں۔

(۶) پورے ملک میں قریے قریے اور کھیتوں کھیتوں میں ٹڈیوں کا سیلاب آ گیا لیکن ان کو یہ جادوگر ہی کا کرشمہ نظر آیا۔

(۷) جوؤں، مچھروں، کھٹملوں اور سرسریوں کا ایسا عذاب آیا کہ کوئی گھر اور کوئی فرد نہ بچا۔ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا سب حرام ہو گیا لیکن انھیں ایمان لانے کی توفیق حاصل نہ ہو سکی۔

(۸) کنوئیں، تالاب، دریا، گلیاں ہر جگہ مینڈکوں کا طوفان اُبل پڑا، جس نے ان کا جینا حرام کر دیا لیکن انھیں یہ جادوگروں کی ہی کارستانی نظر آئی۔

(۹) کنوؤں، تالابوں، چشموں، دریاؤں، برتنوں میں جہاں جہاں بھی پانی تھا خون میں تبدیل ہو گیا اور یہ قوم قطرہ قطرہ کو ترس گئی لیکن یہ سب کچھ اُسے

جادو ہی دکھائی دیتا رہا۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سارے عذاب اُس ہی شخص کی دُعا سے ٹلتے تھے جس کے پاس یہ ناک رگڑتے ہوئے آتے تھے اور جسے یہ جادوگر کہہ کر لکارتے تھے لیکن اُسے نبی، خدا کا فرستادہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور نہ اُس کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ اِس کی پیٹھ پر عذاب کے کوڑے برستے تھے لیکن یہ اُسے عین ابتلائے عذاب میں بھی ساحر ہی ساحر کہہ کر مخاطب کرتی رہی۔

اُن کی اِس ہی کٹ حجتی اور ضدی ذہنیت کی اللہ تعالیٰ نے اِن الفاظ میں نشاندہی کی:

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰيٰتُنَا مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۚ وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَيۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝

(النمل: ۱۳-۱۴)

"مگر جب ہماری کھُلی کھُلی نشانیاں اُن لوگوں کے سامنے آئیں تو اُنھوں نے کہا کہ یہ تو کھُلا جادو ہے۔ انھوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے اِن نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ دل ان کے قائل ہو چکے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اُن مفسدوں کا انجام کیسا ہوا۔"

بھلا آج تک دنیا میں کبھی اور کہیں بھی ایسا ہوا ہے کہ ایک جادوگر نے اپنے جادو کے زور سے پورے ملک کو چیلنج دے دے کر تباہ و برباد کر دیا ہو اور پوری قوم و حکومت کو بے بس کر دیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ جادوگر ہی دنیا میں حکمرانی کرتے اور ہر جگہ ان ہی کا ڈنکا بجتا۔ ان کی اوقات تو اس سے زیادہ کبھی تھی ہی نہیں کہ چند لمحوں کے لیے لوگوں کی نظروں کو دھوکہ دے دیں اور اُن سے کچھ انعام پا لیں۔ ان بے چاروں کو تو یہ قدرت بھی حاصل

نہیں کہ اپنے جادو کے زور سے اپنے رزق کے خزانوں ہی پر قبضہ کر لیں کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

اِن پے درپے عذابوں سے فرعون بوکھلا گیا اور سخت وحشت زدہ ہو گیا۔ اب اُسے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی نظر آئی۔ اُسے ایک طرف یہ خوف لاحق تھا کہ وہ مقابلہ سے عاجز تھا دوسری طرف یہ اندیشہ کہ اب پبلک پر میرا اقتدار زیادہ عرصہ نہ رہ سکے گا۔ عوام الناس جب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک شخص کے اشارہ سے پورا ملک تہہ و بالا ہو جاتا ہے اور اس کی دعا سے پل بھر میں نجات مل جاتی ہے اور سرکار دولت مدار دم مارنے کی مجال نہیں رکھتے، تو کب تک وہ اُس کے دام میں پھنسے رہیں گے۔ چنانچہ حالات کی خوفناکی سے وہ جھلا کر چیخ اُٹھا اور بیوقوفوں کو پھانسے رکھنے کے لیے ایک نیا جال لایا۔

فرعون کا نیا جال

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ
مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ
وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ۝ فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ
ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ۝ فَاسْتَخَفَّ
قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝

(الزخرف: ۵۱ تا ۵۴)

"ایک دن فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا، "لوگو، کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے، اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟ میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل و حقیر ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا؟ کیوں نہ اِس پر سونے

کے کنگن اُتارے گئے؟ یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کی اردلی میں نہ آیا؟

اُس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انھوں نے اُس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ۔"

موسٰی علیہ السّلام کو جادوگر کہہ کر پیش کیا لیکن اس غبارہ کی ہوا جلد ہی نکل گئی، قومی عصبیت بھڑکائی لیکن ایک اُصولی اور نظریاتی تحریک کے سامنے وہ کب تک ٹھیرتی، جبر و تشدد کی چکی چلائی لیکن مردانِ حق کی پامردی نے اس کو بھی بے اثر بنا دیا۔ لوگوں کے دل تو دعوت و دلائل سے مسخر ہوتے ہیں، جبر و تشدد تو نفرت ہی پیدا کرتا ہے۔ اب اُس نے پروپیگنڈہ کی مشینری کو اور تیز کیا اور اپنے احسانات اور دانشمندی کا ڈھنڈورا پٹوا کر، لوگوں کے دل و دماغ پر اپنی کبریائی کو مسلّط رکھنا چاہا۔ چنانچہ سرکار والاتبار کی فتوحات اور کامیابیوں (Achievements) اور ملکی ترقیات (Development) کا سہارا لیا گیا اور لوگوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ یہ ساری خوشحالی اور ترقی حضور ہی کی بدولت ہے۔ اگر حضور نہ رہے تو اِس ملک کا کیا بنے گا۔ سارا ملک کھنڈر بن جائے گا اور بنجر ہو جائے گا۔

ایسا ہی ایک بیوقوف ہمارے ملک میں بھی پیدا ہوا تھا جو دس سال تک لوگوں کو یہ جتاتا رہا کہ اِس ملک کے سارے بڑے بڑے بند (Dams) اور ترقیاتی منصوبے میرے ہی دم سے ہیں۔ میرے بعد کوئی ہے جو اسے سنبھال سکے گا؟ لیکن لوگوں نے دیکھ لیا کہ یہ حضرت جب یک بینی و دو گوش نکالے گئے تو اس ملک کا کچھ نہ بگڑا البتہ ان کے لگائے ہوئے جو جھاڑ جھنکار تھے ان کے کانٹے لوگوں کے حصّے میں ضرور آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں مطلق العنان فرماں رواؤں اور ڈکٹیٹروں کا ایک ہی مزاج ہوتا ہے کہ ملک کا انحصار ان ہی کی ذات والاتبار پر ہے اس لیے یہ ان کا حق ہے کہ ہر طرح سے

لوگوں کی گردنوں پر مسلط رہیں۔

اب یہ تو معلوم نہیں کہ فرعون نے اس پروپیگنڈے کے لیے کوئی شعبۂ اطلاعاتِ عامہ (Press Information Department) کھولا تھا یا نہیں یا یہ کام صرف اپنے حواریوں اور حاشیہ برداروں سے لیا۔ اکبر مرحوم نے اس کی قتلِ اولاد کی مہم پڑھ کر کہا تھا۔

"افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی"

ممکن ہے کہ یہ بات بھی صحیح ہو لیکن میرا خیال ہے کہ اُسے ریڈیو اور ٹیلیویژن بھی میسّر نہ ہو سکا، ورنہ پھر وہ دیکھتا کہ یہ سرکاری مراثی اُسے کس طرح لوگوں کے ذہنوں پر مسلط کر دیتے اور کتنی جلد ہی اس کا بھتّہ بٹھانے کا بھی بندوبست کر دیتے۔ بہرحال یہ اُس کی خوش قسمتی تھی یا بدقسمتی، اسے پریس انفارمیشن کے ایسے دانشور میسّر نہ آسکے۔

اپنی قصیدہ خوانی کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے استحقاقِ اقتدار کی بنیادیں بھی بنانا ضروری سمجھا۔ پاکیزہ سیرۃ، شجاعت، اُولوالعزمی، علم اور خدائی ہدایت سے بہرہ ور ہونا ایسی چیزیں نہیں جو اقتدار کا اہل بنائیں بلکہ دولت مندی، وزیروں، سفیروں کا ٹھاٹ باٹ، ہٹو بچو کی صدائیں، آگے پیچھے خدّام اور خوشامدیوں کی فوج، یہ چیزیں ایسی ہیں جن سے کسی شخص کے متعلق اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی بڑا آدمی ہے۔ یہ فقیر، بوریہ نشین، تمام کرّوفر سے محروم شخص کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ مالک الملک کا نمائندہ ہے۔ اتنے بڑے فرمانروا کا نمائندہ اور یوں شکستہ حال؟ نہ ہاتھوں میں سونے کے سفارتی کنگن، نہ آگے پیچھے فرشتوں کا جلوس، اس پہ دعویٰ ہے کہ رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔ ذرا بات کرنے کا انداز دیکھو، نہ اپنی منقبت نہ شاہانہ اکڑفوں، نہ شاہی القاب و آداب، یہ کوئی ماننے والی بات ہے۔ فرعون نے حضرت موسٰی علیہ السلام کے مقابلہ میں یہ روش کیوں اختیار کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے نہایت بلیغانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ فرمایا:

آمر کی ذہنیت

"اُس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انھوں نے اُس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ۔"

اِس ایک جملہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت عظیم حقیقت بیان فرمادی۔ دنیا میں جب بھی کوئی ظالم وجبّار فرماں روا یا ڈکٹیٹر اپنے مکروفن اور جبرو تشدد سے اقتدار حاصل کرلیتا ہے تو اپنے مقابلہ میں تمام لوگوں کو ہیچ سمجھنے لگتا ہے۔ آخر جن لوگوں کی گردنوں پر وہ بجبر مسلّط ہوگیا، اپنے زور اور چالوں سے جن کو قابو میں کیا، جن کے ضمیر اور وفاداریاں اپنے خزانے سے خریدیں انھیں کوئی اہمیّت کیوں دے؟ وہ سمجھتا ہے کہ اگر کوئی اکڑے گا تو ڈنڈے کے زور سے دبا دُوں گا اور زیادہ سخت جان ہوا تو سُنہری زنجیروں میں کَس دُوں گا، پھر اُن کو کیوں خاطر میں لائے! دراصل جب کوئی قوم بُزدلی کو اپنا شعار بنالے، ہر جبر کے سامنے ہاتھ باندھنا اور سر جُھکانا اختیار کرلے، سیم وزر کے عوض اپنے ضمیر اور اپنی وفاداریاں گروی رکھ دے، وہ بنیادی طور پر فاسق ہوتی ہے اور ہر ذلّت کو اختیار کرنے پر ہر وقت کمربستہ رہتی ہے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ فرعون اور اس کے درباری جو فرماں روا قوم سے تعلق رکھتے تھے، اپنے آپ کو کسی طرح اس بات پر راضی نہ کرسکے کہ ان کی غلام قوم کے دو افراد اُٹھیں اور وہ ان کے ہادی ومُرشد اور رہنما بنیں۔ جس قوم پر پُشتوں سے حکومت کر رہے ہیں اب اسی کے دو افراد کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دے دیں۔ اسی لیے انھوں نے کہا:

فَقَالُوٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝

(المومنون: ۴۷-۴۸)

"وہ کہنے لگے، "کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟

اور آدمی بھی وہ جن کی قوم ہماری بندی ہے، پس انھوں نے دونوں کو جھٹلا دیا اور ہلاک ہونے والوں میں جا ملے۔"

یہ اقتدار کا نشہ اور حسب و نسب پر فخر و غرور، کچھ ہے ہی ایسا کہ آدمی کی آنکھیں بند کر دیتا ہے اور ہدایت کا راستہ دیکھنے ہی نہیں دیتا۔ آدمی تباہ و برباد ہونا پسند کر لیتا ہے لیکن اپنے جھوٹے پندار کے خول سے باہر نکلنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے ہر چند انھیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کی، بڑی سے بڑی نشانی دکھائی، بہتر سے بہتر دلائل دیے، لیکن جو قوم اپنے قومی، نسلی اور اقتدار کے پندار و غرور میں ڈوبی ہوئی تھی، وہ کیسے راہ دیکھ لیتی۔ اسے تو ابھی اور ٹھوکریں لگنا تھیں اور اُس گڑھے میں جا کر گرنا تھا جہاں اس کی کُلّی تباہی کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ یہی وہ ظاہر و باہر حقیقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۝ (ھود: ۹۶-۹۷)

"اور موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں اور کھلی کھلی سندِ ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا، مگر انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔"

جس قوم کی شامت آنا ہوتی ہے تو اُس کی آنکھیں ایسی ہی بند ہو جاتی ہیں۔ ہیروں کو اُٹھا اُٹھا کر پھینکتی جاتی ہے اور کنکروں کو چُن چُن کر رکھتی جاتی ہے۔ اس کی پسند و ناپسند اور خوب و ناخوب کے معیار بدل جاتے ہیں اور انھیں کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتی ہے جو اُسے تیزی سے تباہی کے غار میں دھکیل دیں۔

اگر دلیلیں اور نشانیاں ہی کسی قوم کو تباہی کے گڑھے میں جانے سے روک دیتیں تو پھر آج اِس دنیا میں کوئی بدکار و نافرمان نہ ہوتا اور یہ دُنیا ہی انسان کے لیے جنّت بن جاتی۔ واقعہ یہ ہے کہ نشانیوں اور دلیلوں سے وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو اِس دنیا کے حاضر و موجود کو چھوڑ کر اَن دیکھے خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اُس کے خوف سے وعدۂ فردا کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اس ہی واضح حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں یوں بیان فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاۗءً وَّ
ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ
مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۴۸-۴۹)

"پہلے ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرقان اور روشنی اور ذکر عطا کر چکے ہیں اُن متقی لوگوں کی بھلائی کے لیے جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈریں اور جن کو (حساب کی) اُس گھڑی کا کھٹکا لگا ہوا ہو۔"

فرعون کے دربار میں تحریک اسلامی کا نفوذ

ایک طرف فرعون کی یہ چالیں اور دھمکیاں تھیں، دوسری طرف تحریک اسلامی برابر اپنا کام کیے چلے جارہی تھی۔ فرعون، لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محفوظ رکھنے کی جتنی کوششیں کر رہا تھا اتنا ہی موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اس کے ملک اور اس کے دائرۂ اقتدار میں نفوذ کرتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ اب اس کا دربار بھی اس خطرہ سے محفوظ نہ رہا اور اس کے درباریوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوگئے جو نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے متاثر ہوئے بلکہ اس کے لیے اپنی جان کی بازی تک لگا دینے پر تیار ہو گئے۔ واقعۃً یہ ہر اصولی تحریک کا خاصّہ ہے کہ وہ اپنے ہمدرد اور پیروکار اپنے دشمنوں میں سے پیدا کر لیتی ہے۔ اور تحریک اسلامی کا تو یہ اعجاز ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے درمیان ہی پرورش پاتی ہے۔ خود موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اس کا کھلا ثبوت ہے۔

تحریک اسلامی کا ایسا ہی ایک ہمدرد فرعون کے درباریوں میں پیدا ہوا، جس نے نہ صرف دل نشین اور غیر محسوس انداز میں موسیٰ علیہ السلام کی دعوت درباری حلقہ میں پھیلائی بلکہ دربار میں موسیٰ علیہ السلام کے خلاف جو سازشیں ہوتی تھیں ان سے ان کو پوری طرح باخبر رکھا اور ایک موقعہ پر جب کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا قطعی فیصلہ کر لیا تو اس نے جان پر کھیل کر فرعون کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ اِس مردِ مومن کے جرأت مندانہ کردار کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ مومن میں نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

ارشاد ہوا:

موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَھُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا نِسَآءَھُمْ ط وَمَا کَیْدُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ج اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْھِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ (المومن : ۲۳ تا ۲۶)

"ہم نے موسیٰؑ کو فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف اپنی نشانیوں اور نمایاں سندِ ماموریت کے ساتھ بھیجا، مگر انھوں نے کہا "ساحر ہے، کذّاب ہے"۔ پھر جب وہ ہماری طرف سے حق اُن کے سامنے لے آیا تو انھوں نے کہا "جو لوگ ایمان لاکر اس کے ساتھ شامل ہوئے ہیں اُن سب کے لڑکوں کو قتل کرو اور لڑکیوں کو جیتا چھوڑ دو" مگر کافروں کی چال اکارت ہی گئی۔ ایک روز فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا "چھوڑو مجھے، مَیں اِس موسیٰؑ کو قتل کیے دیتا ہوں، اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمھارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کر دے گا۔"

یعنی باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسی نشانیاں اور معجزات لے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پہونچے جو ان کی نبوّت پر صریح طور پر دلالت کرتی تھیں، اور ان نشانیوں کو دکھانا کسی جادوگر یا جھوٹے مدعیٔ نبوّت کے لیے ممکن نہ تھا، لیکن ایک ہٹ دھرم، منکرِ حق اور ضدّی قوم کی طرف سے انھیں کیا جواب ملا؟ یہی کہ تم ساحر ہو اور جھوٹے ہو۔

فرعون اور اس کے ساتھیوں نے اتنا زوردار پروپیگنڈہ کیا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام ایک ساحر کی حیثیت سے ملک بھر میں مشہور ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ اتنی بڑی رکاوٹ تھی جسے دور کیے بغیر موسٰی علیہ السلام کے لیے کارِ نبوت بجالانا ممکن نہ تھا اور کوئی شخص بھی اُن کی بات اور دعوت کو سُننے اور قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ چنانچہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اس طلسم کو توڑا اور کھلے میدان میں ایک مجمع کثیر کے سامنے ملک کے مانے ہوئے جادوگروں کو ایسی شکستِ فاش دی جس سے یہ بات قطعاً ثابت ہو گئی کہ وہ ساحر نہیں، اُن سے کچھ بڑھ کر ہی کسی دوسری طاقت کے مالک ہیں۔ جادوگروں کے جرأتمندانہ اعلانِ ایمان نے موسٰی علیہ السلام کے کام کو مزید تقویت پہونچائی۔ اس کے بعد پے در پے اُن کی بددعا سے مصری قوم پر عذاب نازل ہوئے اور اُن ہی کی دعا سے وہ ٹل گئے۔ اب یہ کسی کے بس میں نہ تھا کہ وہ موسٰی علیہ السلام کو صرف ایک ساحر کی حیثیت سے پیش کرے۔ اس فتح مبین کا حضرت موسٰی علیہ السلام کی دعوت کے حق میں زبردست اثر پڑا اور ہر وہ شخص جس کے دل میں نیکی اور خیر کا ذرّہ برابر بھی اثر تھا اس دعوت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے ایمان لانا شروع کر دیا اور فرعون کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی۔

فرعون نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہی حربے اختیار کرنے پر اُتر آیا جو ایک شکست خوردہ جابر و قاہر اقتدار ہمیشہ سے اختیار کرتا آیا ہے، یعنی جبر و تشدد کا بے محابا استعمال۔ اِس جبر و تشدد کے استعمال میں بھی اُس نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقے ہی کی پیروی کرتے ہوئے حکم دیا کہ جو لوگ موسٰی علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں اور اُن کا ساتھ دے رہے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کیا جائے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اِن حربوں سے وہ اہلِ ایمان کو ڈرا دھمکا لے گا اور اس طریقے سے اس دعوت کے نفوذ اور دائرۂ اثر کو محدود کر دے گا۔ لیکن ہر جابر و ظالم کی طرح اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ ۔

اسلام کو قدرت نے کچھ ایسی لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا، جتنا کہ دبا دیں گے !! (ظفر علی خاںؒ)

فرعونی حربے

اس کی یہ سب چالیں اکارت گئیں اور دعوت اسلامی کو پھیلنے سے وہ روک نہ سکا۔ یہ رنگ دیکھ کر اس کا پارہ اور تیز ہو گیا اور اُس نے فیصلہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے تاکہ یہ قصّہ ہمیشہ ہی کے لیے پاک ہو جائے۔ جب جڑ ہی نہ رہے گی تو شاخیں آپ ہی آپ مرجھا جائیں گی۔ چنانچہ ایک دن اس نے اپنے درباریوں سے کہا :

"چھوڑو مجھے، مَیں اِس موسیٰؑ کو قتل کیے دیتا ہوں، اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمھارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا"

یہ ایک مکّار، بزدل اور مجرم ضمیر کی سخن سازی تھی۔ ہوا تو خود 'جہاں پناہ' کی سرکی جا رہی تھی لیکن تاثر یہ دے رہے تھے کہ تم لوگوں نے خواہ مخواہ مجھے روک رکھا ہے، مجھے خواہ مخواہ مشورے دے رہے ہو، اس کا تو بس ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے قتل۔ مجھے اس سے سروکار نہیں کہ اُس نے جرم کیا ہے یا نہیں اور آیا وہ سزاوارِ قتل ہے یا نہیں، اس کے قتل کے جواز کے لیے یہی وجہ کافی ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہ آئندہ وہ جرم کرنے والا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفاد امنِ عامہ (Public Maintenance Order) یا حبسِ امتناعی (Preventive Detention) کے قوانین کچھ موجودہ دور ہی کی پیداوار نہیں، یہ تو وہ "سنّتِ فرعونی" ہے جس پر ہر وہ ظالم اقتدار عمل کرتا ہے جسے اپنے تختِ اقتدار کے پائے چوبیں ٹوٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک کسی انسانی جان کو ختم کر دینے کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ اُن کے ذہن میں کچھ موہوم خطرے ہیں، اور یہ بات ان کی دانش مندی کے خلاف ہے کہ وہ خطرہ سامنے آ جائے تو کوئی اقدام

کریں۔ دانش مندی یہ ہے کہ مجرم کو جرم کرنے سے پہلے ہی فنا کر دو، زیادہ سے زیادہ کچھ جانیں ہی تو جائیں گی، ان کا تختِ اقتدار تو محفوظ رہ جائے گا۔ رہا انسانی جانوں کے احترام کا مسئلہ، تو ان کی جانیں میرے اقتدار سے زیادہ قیمتی تھوڑا ہی ہیں۔ آخر ان لوگوں کو کچھ کیڑوں مکوڑوں سے زیادہ اہمیت کیوں دی جائے۔ انسانی احترام کے لائق تو یا تو صاحبِ اقتدار شخصیتیں ہیں یا ان کے اہالی موالی، ان کا یہ جرم تھوڑا ہے کہ سرکار والامدار کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت کرتے ہیں؟ جس شخص سے یہ خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ ہو جائے، بس یہ اس سے خوش ہو کر پروانہ موت عطا کر دیتے ہیں۔

پھر ان میں اتنی اخلاقی جرأت بھی نہیں ہوتی کہ یہ کھل کر کہیں کہ ہمیں اس سے خطرہ ہے بلکہ نہایت عیاری اور ڈھٹائی سے لوگوں کو یہ باور کرلتے ہیں کہ اصل میں خطرہ تو تمھیں تھا یہ تمھاری سلامتی (Safety) اور عزت و آبرو کو محفوظ کرنے کے لیے ہم نے اقدام کیا ہے۔ چنانچہ دیکھیے فرعون یہ نہیں کہتا کہ مجھے اور میرے اقتدار کو خطرہ ہے بلکہ یہی کہتا ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہ یہ تمھارا دین یعنی یہ رائج الوقت احکام، طریقۂ زندگی اور تمھارا اقتدار سب کچھ تلپٹ ہو جائے گا اور ملک میں افراتفری پھیل جائے گی۔ تمھاری جان و مال، عزت و آبرو، عز و جاہ، عظمت و سطوت کچھ محفوظ نہ رہے گی۔ اس لیے تمھاری خاطر میں یہ ساری بازی کھیل رہا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کی شانِ بے نیازی

اسے تحریکِ اسلامی کی برکت کہیے یا موسیٰ علیہ السلام کے انتظامِ خبر گیری کی زبردست تنظیم، کہ موسیٰ علیہ السلام کو فوراً ہی اس منصوبہ قتل کی خبر مل گئی۔ ممکن ہے کہ یہ خبر رساں وہی مردِ مومن ہو جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، یا کوئی دوسرا متاثر درباری، بہر حال انھیں بروقت خبر مل گئی۔ آنجناب نے

سُن کر نہ کسی پریشانی کا اظہار کیا نہ گھبراہٹ کا، بلکہ نہایت اطمینان سے فرمایا:

وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ٥ (المومن: ۲۷)

"اور موسیٰؑ نے کہا "مَیں نے تو ہر اُس متکبر کے مقابلہ میں جو یومُ الحساب پر ایمان نہیں رکھتا، اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے۔"

قربان جائیے اس سکون و اطمینان کے جس سے یہ جواب دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جس دل میں خدا کا ڈر سمایا ہو اُس میں کسی دوسرے ڈر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ موسیٰ علیہ السّلام نے اِس خبرِ بد کو پرِکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی اور نہایت حقارت سے فرعون کے منہ پر اُسے دے مارا۔

مردِ مومن کا اعلانِ حق

اُس مردِ مومن نے جب دربار کا یہ رنگ دیکھا تو سب مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک مرتبہ پُورے زور سے فرعون اور اس کے درباریوں کو سمجھانے کا تہیّہ کر لیا اور اس ارادۂ بد سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ ط وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ج وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ ٥ یٰقَوْمِ لَکُمُ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ط

(المومن: ۲۸-۲۹)

"اس موقع پر آلِ فرعون میں سے ایک مومن شخص، جو اپنا ایمان

چھپائے ہوئے تھا، بول اُٹھا:

"کیا تم ایک شخص کو صرف اِس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس بیّنات لے آیا۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اُسی پر پلٹ پڑے گا۔ لیکن اگر وہ سچا ہے تو جن ہولناک نتائج کا وہ تم کو خوف دلاتا ہے اُن میں سے کچھ تو تم پر ضرور ہی آجائیں گے۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور کذّاب ہو۔

اے میری قوم کے لوگو، آج تمھیں بادشاہی حاصل ہے اور زمین میں تم غالب ہو، لیکن اگر خدا کا عذاب ہم پر آگیا تو پھر کون ہے جو ہماری مدد کر سکے گا؟"

یہ خطاب دردمندانہ، پُرسوز اور پُرحکمت تبلیغ کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اُس نے نہایت حکمت سے، اشتعال دلائے بغیر فرعون اور اُس کے درباریوں پر اُن کی غلطی واضح کی اور ان کی براہِ راست تردید کرنے کے بجائے حقیقی واقعات اُن کے سامنے رکھے۔

اُنھیں بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کھُلی کھُلی نشانیاں دکھا چکے ہیں، ایسی نشانیاں جو تم بھی جھٹلا نہیں سکتے۔

پھر انھیں ان ہی کی دلیلوں سے قائل کرنے کی کوشش کی۔ وہ کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السّلام جھوٹے ہیں۔ اُس نے کہا کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو تمھیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، ایک دن جھوٹ کا پول خود کھُل جائے گا اور کیے کا نتیجہ خود بھگتے گا۔ اور اگر وہ شخص سچا ہے تو اِس بات کا قوی امکان ہے کہ تمھارے جس بُرے انجام کی خبر دے رہا ہے وہ اگر سب نہ سہی تو کچھ نہ کچھ تو وبال آہی جائے گا۔

یہاں انھوں نے یہ نہیں کہا کہ وہ سچا ہے اس لیے تم ضرور سزا پاؤ گے

بلکہ پچھلی دلیلوں کا سہارا لیتے ہوئے ان کا منطقی نتیجہ بتایا۔ اس کے بعد ایک بڑی پتے کی بات کہی۔ کہا "اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور کذاب ہو"۔ یہاں انھوں نے ایک ایسا آئینہ دے دیا جس میں فرعون اور اُس کے حواری اپنا چہرہ خود دیکھ سکتے تھے۔ انھوں نے نام لیے بغیر فرعونیوں کے ایک ایسی چٹکی لی جس کی کسک تو وہ محسوس کر سکتے تھے لیکن کوئی اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔

اِس جملے کے دو مطلب ہو سکتے تھے، ایک یہ کہ اگر موسٰی علیہ السّلام سچے نہیں ہیں تو وہ خدا، جس کا وہ اپنے آپ کو نمائندہ کہتے ہیں، اُنھیں خود ہی سزا دے گا، کیونکہ وہ کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑتا جو اُس کا نام لے کر اس پر جھوٹ گھڑے اور اپنے رویّے میں کسی حد کا پابند نہ ہو۔

اس کا دوسرا مطلب یہ تھا کہ تم اپنے رویّے پر خود غور کر لو۔ اب تک تمھارا رویّہ یہ رہا ہے کہ خدا کی نافرمانی اور اس کی مخلوق پر ظلم و ستم توڑنے میں تم ساری حدیں پھاند چکے ہو اور حق بات کھُل کر سامنے آجانے کے باوجود تم اسے جھٹلائے جاتے ہو، تمھارا یہ رویّہ تمھیں خدا کے غضب سے نہ بچا سکے گا۔

اس کے بعد اُس نے قوم کو متنبّہ کیا کہ اقتدار کی دھوپ تمھاری آنکھوں کو خیرہ نہ کر دے۔ اِس دھوپ کے بعد چھاؤں بھی آتی ہے۔ اقتدار آج تمھارے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس ہوگا۔ اس کو کبھی دوام نہیں۔ اس سے دھوکہ کھا کر یہ سمجھنے کی غلطی نہ کرنا کہ ہمیں کبھی زوال نہیں آئے گا۔ جس وقت اللہ کی پکڑ آئی تو یہ غلبہ و اقتدار سب دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔

اِس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر فرعون اور اس کے ساتھی خدا کے تصوّر سے آشنا تھے۔ اسی لیے انھیں بار بار خدا کی نافرمانی اور اُس کے غضب سے ڈرایا، لیکن بُرا ہو اِس نسلی تعصب اور ذاتی مفادات کا کہ جب موسٰی علیہ السّلام نے خدا کی طرف دعوت دی تو انھوں نے کہا اچھا،

یہ موسیٰ کا خدا ہے تو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اُن کا اصل ٹکراؤ اُس تصوّرِ خدا سے تھا جو موسیٰ علیہ السلام پیش کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک خدا کا مقام بس اِس سے زیادہ نہ تھا کہ آدمی کچھ مراسمِ عبودیت بجا لائے۔ رہا قانون اور انتظامِ ملکی کا معاملہ تو یہ ظلِّ سبحانی کا حق تھا اور ان ہی معنوں میں فرعون الوہیت اور ربوبیت کا دعویدار تھا۔ شاید وہ ان نام نہاد دینداروں سے کچھ بھی مختلف نہ تھا جن کا تصوّر یہ ہے کہ سجدے تو خدا کو کر لو اور کفر کی پُر اخلاص اطاعت کر لو۔

اُس کی یہ باتیں ایسی نپی تُلی تھیں اور ایسی مدلّل تھیں کہ فرعون ان کا کوئی جواب نہ دے سکا اور شرما کر بولا:

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ (المومن: ۲۹)

"فرعون نے کہا "مَیں تو تم لوگوں کو وہی رائے دے رہا ہوں جو مجھے مناسب نظر آتی ہے۔ اور مَیں اُس راستے کی طرف تمھاری رہنمائی کرتا ہوں جو ٹھیک ہے۔"

مردِ مومن نے جب دیکھا کہ فرعون اب لاجواب ہو گیا ہے تو اُس نے اپنی بات کو مکمّل کرنے کے لیے تاریخ سے استشہاد کرتے ہوئے مزید دلائل دیے تاکہ شاید اِن بدنصیبوں پر میری بات اثر کر جائے۔ چنانچہ کہا:

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا
زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا
هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ

(المومن: ۳۰ تا ۳۴)

"وہ شخص جو ایمان لایا تھا اُس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو، مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی وہ دن نہ آجائے جو اس سے پہلے بہت سے جتھوں پر آچکا ہے، جیسا دن قوم نوح اور عاد اور ثمود اور اُن کے بعد والی قوموں پر آیا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اے قوم، مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر فریاد و فغاں کا دن نہ آجائے، جب تم ایک دوسرے کو پکارو گے اور بھاگے بھاگے پھرو گے، مگر اُس وقت اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ سچ یہ ہے کہ اللہ جسے بھٹکا دے اُسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہوتا۔ اِس سے پہلے یوسفؑ تمھارے پاس بیّنات لے کر آئے تھے مگر تم اُن کی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہے۔ پھر جب اُن کا انتقال ہوگیا تو تم نے کہا اب اُن کے بعد اللہ کوئی رسُول ہرگز نہ بھیجے گا۔"

یہاں نہایت حکمت سے ترہیب و اِنذار کا فریضہ ادا کرتے ہوئے انھیں اُن کے انجامِ بد سے خبردار بھی کر دیا اور صحیح راستے کی طرف رہنمائی بھی کر دی۔ خود یوسف علیہ السّلام (جو موسٰی علیہ السّلام کی قوم بنی اسرائیل ہی سے تعلق رکھتے تھے) کے ساتھ اس قوم نے جو سلوک کیا اس کو بطورِ ثبوت پیش کیا اور بتایا کہ اُن کی پاکیزہ زندگی، ان کی صحیح راہ نمائی اور ہدایت کی تم نے ان کے جیتے جی تو کوئی قدر نہ کی، لیکن ان کی وفات کے بعد اُن کے مرتبے کے تم قائل ہوئے اور یہ کہہ کر کہ اب ایسے نیک نفس کہاں پیدا ہوں گے، ان ہی

کی ذات بابرکات کو ہدایت قبول نہ کرنے کے لیے آڑ بنالیا۔ اب یہی رویّہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختیار کر رہے ہو۔ جیتے جی تو ان کی بات سُننا گوارا نہیں کرتے، بعد میں تم ان کو بھی اسی طرح یاد کرو گے۔ لیکن یاد رکھو کہ اب تمھیں مہلت نہیں ملے گی بلکہ اس انجام سے دوچار ہو کر رہو گے جو تم سے پہلے ان قوموں کا مقدر ہو چکا تھا جنھوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ یہ تمھاری کٹ حجتی، یہ ضد اور یہ انانیت تمھیں ہدایت قبول نہ کرنے دے گی۔ اِس ہی قانون کو اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں یوں بیان فرمایا ہے:

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۝
الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ
اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝

(المومن: ۳۴-۳۵)

"اسی طرح اللہ اُن سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شکّی ہوتے ہیں اور اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے ہیں بغیر اس کے کہ اُن کے پاس کوئی سند یا دلیل آئی ہو۔ یہ رویّہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک سخت مبغوض ہے۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر و جبّار کے دل پر ٹھپّہ لگا دیتا ہے۔"

یعنی اللہ کی ہدایت کا راستہ صرف اُن لوگوں پر کھُلتا ہے جو دلیلوں کو سُنتے ہیں، اُن پر غور کرتے ہیں اور اگر انھیں حق پاتے ہیں تو قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے برعکس جس شخص کا رویّہ یہ ہو کہ مجھے فریقِ مقابل کی بات ماننا ہی نہیں بلکہ اُس کی دلیلوں کا کاٹ کرنا ہے اور جس کا رویّہ یہ ہو کہ دوسرا فریق میرے مقابلہ میں کم حیثیت ہے، میں اس کی بات کیسے مان لوں تو اس پر ہدایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی ہیکڑی اور غرور ہی میں ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے۔

اِستہزاءِ فرعون

فرعون کی انانیت نے اس کو ان دلیلوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ اس نے جب دیکھا کہ مردِ مومن کی دلیلوں کا کاٹ کرنا آسان نہیں تو اُس نے اِدھر سے بات کو ہٹا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف گفتگو کا رُخ پھیر دیا اور تضحیک و استہزاء پر اُتر آیا اور بولا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝ (المومن: ۳۶-۳۷)

"فرعون نے کہا "اے ہامان، میرے لیے ایک بلند عمارت بنا، تاکہ میں راستوں تک پہنچ سکوں، آسمان کے راستوں تک، اور موسیٰؑ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں۔ مجھے تو یہ موسیٰؑ جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے"۔

"اس طرح فرعون کے لیے اس کی بدعملی خوش نما بنا دی گئی اور وہ راہِ راست سے روک دیا گیا۔ فرعون کی ساری چال بازی (اُس کی اپنی) تباہی کے راستہ ہی میں صرف ہوئی"۔

یہ وہی بات ہے جو سورۂ القصص آیت نمبر ۳۸ میں بیان کی گئی ہے۔ جبکہ وہ اپنے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تضحیک و استہزاء پر اُتر آیا تھا۔ اب اُس نے پھر وہی ٹھٹھے مذاق کا انداز اختیار کیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شاید میں اِس ہی طرح اِس دعوت کو چٹکیوں میں اُڑا دوں گا۔ لیکن یہ اُس ہی پر موقوف نہیں، ہر زمانے کے فرعونوں کا یہی دستور رہا ہے کہ دعوتِ حق کو ہنسی مذاق میں اُڑانے اور اُس کو استہزاء، تحقیر و تضحیک کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

لیکن ان کی یہ چالیں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں بلکہ اِس طریقے سے یہ خود ہی حق سے دُور ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی بدنصیبی پر مہر لگ جاتی ہے۔

مردِ مومن نے جب یہ دیکھا کہ فرعون اب مذاق اُڑانے پر اُتر آیا ہے اور دلیلوں کے سامنے لاجواب ہو کر اب موضوع سے فرار کی کوشش کر رہا ہے تو اُس نے ایک بار پھر اہلِ دربار کے سوتے ضمیروں کو جھنجھوڑنے اور انھیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ کہنے لگا:

مردِ مومن کی آخری اِصلاحی کوشش

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ہ یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ہ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ہ وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ہ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَکْفُرَ بِاللّٰہِ وَاُشْرِکَ بِہٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ وَّ اَنَا اَدْعُوْکُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ہ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ لَیْسَ لَہٗ دَعْوَۃٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَۃِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰہِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ ھُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ہ فَسَتَذْکُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَکُمْ ط وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

(المومن: ۳۸ تا ۴۴)

"وہ شخص جو ایمان لایا تھا، بولا "اے میری قوم کے لوگو، میری بات مانو، مَیں تمھیں صحیح راستہ بتاتا ہوں۔ اے قوم، یہ دنیا کی زندگی

تو چند روزہ ہے، ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہی ہے۔ جو بُرائی کرے گا
اُس کا اُتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اس نے بُرائی کی ہوگی۔ اور جو نیک عمل
کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، ایسے سب لوگ
جنت میں داخل ہوں گے جہاں اُن کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔
اے قوم، آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ میں تو تم لوگوں کو نجات کی طرف بُلاتا
ہوں اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو! تم مجھے اِس بات
کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اُس کے ساتھ اُن ہستیوں
کو شریک ٹھیراؤں جنھیں میں نہیں جانتا، حالانکہ میں تمھیں اُس زبردست
مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بُلا رہا ہوں۔ نہیں، حق یہ ہے اور اِس
کے خلاف نہیں ہو سکتا کہ جن کی طرف تم مجھے بُلا رہے ہو اُن کے لیے
نہ دنیا میں کوئی دعوت ہے نہ آخرت میں، اور ہم سب کو پلٹنا اللہ ہی
کی طرف ہے، اور حد سے گزرنے والے آگ میں جانے والے ہیں۔
آج جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، عنقریب وہ وقت آئے گا جب تم اُسے یاد
کرو گے۔ اور اپنا معاملہ میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں، وہ اپنے بندوں کا
نگہبان ہے۔"

ہر انسان کی زندگی میں ایک ایسی فیصلہ کُن گھڑی آتی ہے جب اُسے یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اب اُسے کون سا راستہ اختیار کرنا ہے۔ ایک طرف باطل اپنی تمام قہر سامانیوں اور جلوہ آرائیوں کے ساتھ سامنے ہوتا ہے تو دوسری طرف حق، جو اُس کا عقیدہ اور نصب العین بن چکا ہوتا ہے، جو اُس کے دل و دماغ اور رُوح و قلب پر چھایا ہوا ہوتا ہے، جو اُس کے ضمیر کی آواز اور آرزوؤں اور تمناؤں کا محور بن چکا ہوتا ہے، اُسے اپنی طرف پُکارتا ہے۔ اُس وقت باطل کی طرف لپکنے کا مطلب دُنیاوی ترقی اور خوش حالی سے ہمکنار ہونا اور حق کا ساتھ دینا اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ ایسے نازک وقت

میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو باطل کے جھوٹے نگینوں کی چمک دمک کو ٹھکرا کر حق کے انگارے اپنی مٹھی میں دبانے کی جرأت کر سکیں۔ لیکن جو لذتِ آشنائے حق ہوتے ہیں وہ ایسے موقعوں پر تمام ترغیبات و خطرات کے علی الرغم حق کو نہ صرف اپناتے ہیں بلکہ اس کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں۔ چنانچہ اُس مردِ مومن نے بھی، تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے ایمان کا صاف صاف اعلان کیا اور اپنے ترجیحِ آخرت کا واشگاف اور مدلّل انداز میں اظہار کیا۔ اُسے اپنی حق گوئی کا انجام پوری طرح معلوم تھا لیکن اس کے باوجود ایمان پر اپنے عزمِ صمیم کا اور اس راہ میں ہر سزا کو بھگتنے کے لیے اپنی پوری آمادگی کا اعلان کیا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی قوم کو متنبہ بھی کر دیا کہ آج تم غیظ و غضب میں مبتلا ہو کر میرا جو چاہو حشر کر ڈالو، لیکن تم میری باتوں کی حقانیت کی گواہی دو گے اور مجھے یاد کرو گے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں اُسے اپنے اللہ کے حوالے کر چکا ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ اپنے وفادار بندوں سے کبھی غافل نہیں، وہ میری حفاظت کے لیے کافی ہے۔

مردِ مومن کا یہ نعرۂ مستانہ فرعون اور اس کے درباریوں کے غیظ و غضب کو دعوت دینے کے لیے بالکل کافی تھا۔ لیکن قربان جائیے اُس رحیم و کریم نگہبان کے کہ اُس نے فرعون اور اُس کے درباریوں کی ساری جاہ و حشمت کے باوجود، اُس مردِ مومن کا بال بیکا نہ ہونے دیا اور ان کی سب چالیں ناکام ہوئیں۔ اس کے مقابلہ میں فرعون اپنے سارے لاؤ لشکر کے باوجود رُسوا و نامراد اور گرفتارِ عذاب ہوا۔ اِس عبرت ناک انجام کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

نجاتِ مردِ مومن

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (المومن : ۴۵-۴۶)

"آخر کار اُن لوگوں نے جو بُری سے بُری چالیں اُس مومن کے خلاف چلیں، اللہ نے اُن سب سے اُس کو بچا لیا اور فرعون کے ساتھ خود بدترین عذاب کے پھیر میں آ گئے۔ دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں، اور جب قیامت کی گھڑی آ جائے گی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کرو۔"

یہ مردِ مومن کا ذاتی اثر و رسوخ تھا یا جلالِ ایمانی، کہ اِن کھری کھری اور بیباکانہ باتوں کے باوجود فرعون اُس پر علانیہ ہاتھ نہ ڈال سکا۔ اُسے پھانسنے اور قابو میں کرنے کی بہت سی ترکیبیں کیں اور چالیں چلیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کے ہر مکر کے مقابلہ میں مردِ مومن کی مدد فرمائی اور اُسے محفوظ رکھا۔ سچ ہے کہ جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ اس کے برعکس فرعون اور اُس کے تمام ساتھی اِس دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت میں ان کے لیے جو ذلت و خواری ہے وہ اِس سے شدید تر ہے۔

اِس واقعہ میں اُن سب لوگوں کے لیے عبرت و بصیرت کے بے شمار پہلو ہیں جو ایمان و یقین کی مشعل جلائے ہوئے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے بھی جو مخالفتِ حق میں پیش پیش ہیں۔ جو لوگ اللہ کی تائید و نصرت پر یقین رکھتے ہیں اُن کے لیے بشارت ہے کہ اُن کے مخالفین چاہے کتنے ہی ساز و سامان سے مسلح ہوں لیکن بالآخر وہ ناکام ہوں گے اور مردانِ حق اِس دنیا میں بھی کامیاب و کامران ہوں گے اور آخرت میں بھی۔

قارُونؔ ـــ اسرائیلی سیٹھ

ایک طرف فرعون کے ہم قوم اور درباری صاحبِ ایمان کا یہ کردار تھا، دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم قوم قارُون کا کردار ہے جس نے حق سے منہ موڑ کر محض اپنی دنیا بنانے کے لیے، نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا بلکہ اپنی ہی قوم کے دشمن ـــ فرعون ـــ سے مل کر موسیٰ علیہ السلام کو زک دینے کی ٹھانی اور دوسرے فرعونیوں کی طرح اِس دعوتِ حق کو دبانے اور اسکی مخالفت کرنے میں پیش پیش رہا۔ اس کا کردار بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قارُونی کردار

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (القصص: ۷۶-۷۷)

"یہ ایک واقعہ ہے کہ قارُون موسیٰؑ کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہو گیا۔ اور ہم نے اُس کو اِتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اُن کی کنجیاں طاقت ور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اُٹھا سکتی تھی۔ ایک دفعہ جب اُس کی قوم کے لوگوں نے اُس سے کہا:

"بھول نہ جا، اللہ پھولنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اُس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصّہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔"

یہ قارون بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا اور اسرائیلی روایات کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کے خاندان ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے اپنے ہم قوم اور ہم مذہب لوگوں سے منہ موڑ کر فرعونیوں سے اپنا ناطہ جوڑا۔ تمام چالاک اور ابن الوقت لوگوں کی طرح اُس نے بھی یہ سوچا کہ برسرِ اقتدار طبقہ سے گٹھ جوڑ کر کے اپنی دُنیا بنائی جائے۔ بنی اسرائیل، جو اُس وقت ایک مغلوب اور مقہور قوم کی حیثیت رکھتے تھے، اُن کے ساتھ رہنے کا کیا فائدہ؟ اس وقت موقع ہے کہ اِن آقاؤں کو خُوش کر کے دُنیا بنالی جائے اور ٹھاٹھ کی زندگی بسر کی جائے۔ چنانچہ اِس غدّاری کے صِلہ میں وہ اپنے آقاؤں سے خُوب نوازا گیا، یہاں تک کہ وہ ملک کا ایک بڑا سرمایہ دار سیٹھ بن گیا۔ ٹھیٹھ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی وجہ سے اُسے صرف ایک ہی فکر تھی کہ اُس کا خزانہ کس طرح پُر ہو اور اُس میں دن رات اضافہ ہو۔ قوم کو اگر ذلّت نصیب ہوتی ہے تو ہو، قوم اگر ماری گھسیٹی جاتی ہو تو جائے جہنّم میں، اس کے مال و منال کو جو اُس نے سینکڑوں جتن کر کے اکٹھا کیا تھا، کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ ٹھیک ایسی ہی ذہنیت کا مظاہرہ ہمارے اُن غدّاروں نے بھی اپنی جاگیریں اور امارتیں قائم کرنے کے لیے اُس وقت کیا تھا جب انگریز برّ صغیر ہند و پاکستان پر قبضہ کر رہے تھے۔ قوم کے حُرّیت پسند افراد سُولیوں پر چڑھتے رہے، کالے پانی بھیجے گئے، لیکن یہ سب سے آنکھیں بند کر کے اپنے آقاؤں کی خُوشنودی اور دربار میں رسائی حاصل کرنے کے لیے دن رات لگے رہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے مصر میں دعوتِ دین کا عَلَم بلند کیا تو

اِس نے سرکارِ والا مدار کے ابروؤں کا اشارہ پاکر حضرت موسٰی علیہ السلام کی مخالفت شروع کی اور اس مخالفت میں اتنا آگے بڑھا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں موسٰی علیہ السلام کے مقابلہ پر جو بڑے بڑے مجرم تھے اُن میں ایک یہ بھی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝

(المومن: ۲۳-۲۴)

"ہم نے موسٰیؑ کو اپنی نشانیوں اور کھُلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارُون کی طرف بھیجا، مگر اُنھوں نے کہا کہ یہ ایک جادُوگر ہے سخت جھوٹا۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَکْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانُوْا سٰبِقِیْنَ ۝ (العنکبوت: ۳۹)

"اور قارون و فرعون اور ہامان کو ہم نے ہلاک کیا۔ موسٰیؑ اُن کے پاس بیّنات لے کر آیا مگر اُنھوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم کیا، حالانکہ وہ سبقت لے جانے والے نہ تھے۔"

اس کی غدّاری اور بے ضمیری اتنی پھلی پھولی کہ اُس کے پاس بے حد و حساب دولت اکٹھی ہوگئی۔ اس کی دولت کا اندازہ اِس ہی سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کا بیان ہے کہ طاقت وَر انسانوں کی ایک جماعت اس کے خزانوں کی صرف کنجیاں ہی مشکل سے اُٹھا سکتی تھی۔ اب آپ خود ہی سوچ لیں کہ اس کے پاس کتنی کوٹھیاں، کتنے گودام اور کتنے محلات ہوں گے جن کی کنجیاں اتنی تھیں۔

قارُونی دَولت

اِس بے حد و حساب دولت نے اس کا دماغ خراب کر دیا اور آپے سے باہر ہو کر اپنی دولت پر اِترانے لگا۔ ہر سرمایہ دار کی طرح اپنے غریب کنبوں والوں سے کٹنا اور دولت مند غیروں سے ملنا اس کا وطیرہ ہو گیا۔ جب اس کی یہ حالت ہو گئی تو اس کی قوم کے کچھ دانش وروں نے سمجھایا کہ یہ تیرا غرور اور گھمنڈ تجھے لے بیٹھے گا کیوں کہ اللہ چاہے کسی اور گناہ سے صرفِ نظر کر لے لیکن کسی مغرور کے گھمنڈ کو باقی نہیں رہنے دیتا۔ یہ دولت جو اللہ نے تجھے دی ہے، اُس پر شکر کر اور شکرانۂ نعمت کے طور پر اس کے مستحق بندوں پر اس کی راہ میں خرچ کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے نوازا ہے، تو اللہ کی مخلوق کو نواز۔ یہ دُنیا جس کے پیچھے تُو پڑا ہوا ہے فانی ہے، تجھے جو مُہلت ملی ہے اس میں دوسری دنیا کے لیے کچھ کر لے۔ یہ تیرے سب محلات یہیں دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، تیرے حصہ میں دو گز زمین بھی مشکل سے آئے گی۔ اللہ کی اس عطا کردہ دولت کو زمین میں فساد پھیلانے کے لیے استعمال نہ کر۔ اللہ کے بندوں کا ضمیر خریدنے اور انھیں ستانے اور پھانسنے کے لیے استعمال نہ کر بلکہ اِس سے بھلائیاں پھیلا اور بُرائیوں کا خاتمہ کر اور اللہ نے جو تجھے اثر و رسوخ دیا ہے اُس سے بھلے کاموں کے فروغ میں مدد لے۔ کیوں کہ اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ فساد پھیلانے والوں کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کرتا، لیکن جس کی دولت نے اُس کی آنکھیں مُوند دی ہوں اُس پر کوئی نصیحت کب اثر کرتی ہے۔ نہایت غرور سے بولا:

قارُونی ذہنیّت

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ط (القصص: ۷۸)

"بولا، یہ سب کچھ تو مجھے اُس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے۔"

یعنی یہ دولت میرے زورِ بازو اور صلاحیتوں کا نتیجہ ہے۔ بیسیوں آدمی

دنیا میں جو تنیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، انھیں یہ مرتبہ کیوں نہیں ملا۔ مجھ میں کچھ خوبیاں تھیں اور کچھ وصف ایسے تھے کہ میں اِس ہی مرتبہ کا مستحق تھا۔ یہ دولت اِس لیے تو نہیں کہ ایسے نکمّے اور نامراد لوگوں پر خرچ کر دوں جو خود مفلس و قلاش ہیں۔

یہ ذہنیت ہر اُس شخص کی ہوتی ہے جو خُدا کو بھول کر ہر بھلائی اور ہر خیر کو اپنی ہی قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ کاش کبھی یہ خود اپنے اندر بھی جھانک کر دیکھ لیتا کہ یہ صلاحیت، یہ دانش مندی، یہ اصابت رائے، یہ قابلیتیں اور یہ سازگار ماحول کس نے عطا کیا ہے۔ اگر وہ ایک لولا، لنگڑا، اپاہج اور معذور انسان پیدا ہوتا تو کیا اِس عروج پر پہونچ سکتا تھا؟ مگر اِس نقطۂ نظر سے کون سوچتا؟ اِس نقطۂ نظر سے تو وہی لوگ غور کرتے ہیں جو ہر آن خدا سے ڈرتے رہتے ہیں، اس کے شکر گزار بندے ہوتے ہیں، دل بیدار اور چشمِ وا رکھتے ہیں۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ○ (القصص: ۷۸)

"کیا اُس کو یہ علم نہ تھا کہ اللہ اُس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اُس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتے تھے؟ مجرموں سے تو اُن کے گناہ پوچھے نہیں جاتے۔"

اب مجرموں سے کون پوچھے کہ تم سے پہلے جن لوگوں کی پکڑ ہوئی تھی، کیا اُن کو اُن کے اعتراف پر سزا ملی تھی اور چونکہ تم نے اپنے جرائم کا اعتراف نہیں کیا ہے اِس لیے تم خُدائی پکڑ سے بچے رہو گے؟ مجرم کی سزا کے لیے تو یہی بات کافی ہے کہ اُس نے ارتکابِ جرم کیا ہے چاہے وہ اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔ ان کا پیمانۂ جرم جب لبریز ہو گیا تو یہ بات یقینی ہے کہ کسی وقت بھی ان کی شامت آجائے۔ ان کی شامت ان کی اجازت پر موقوف نہیں کہ وہ اجازت دیں تو آئے۔

مجرموں کی بھی ذہنیت عجیب ہوتی ہے۔ پچھلے لوگوں کا انجام بد دیکھتے ہیں تو اُن کی خامیاں اور کوتاہیاں تلاش کرنے لگ جاتے ہیں لیکن خود یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ ویسے ہی اعمال کے ارتکاب پر اس انجام بد سے کیسے محفوظ رہیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ خواہ تاریخی واقعات ہوں یا آثارِ قدیمہ، اُن سے عبرت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی باز پُرس سے خوف کھاتے ہیں، اور اس کے سامنے پیشی سے ڈرتے رہتے ہیں۔

قارُون کے سامنے پچھلی تاریخ کے صفحات کھُلے پڑے تھے۔ عاد و ثمود، قومِ نوحؑ اور قومِ لُوطؑ سے وہ ناواقف نہ ہوگا۔ وہ طاقت میں، دولت میں، اقتدار و غلبے میں اس سے کہیں زیادہ تھے لیکن جب اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا تو کوئی اللہ کا کوڑا پکڑ نہ سکا اور جس پر پڑا وہ کہیں کا نہ رہا، اُس کا نام و نشان مٹ گیا، پھر یہ کس کھیت کی مولی تھا کہ اس کو خاطر میں لایا جاتا۔

قارُون کا مظاہرۂ دولت

قارُون نے جب دیکھا کہ اس کی دولت اور اس کی عادات و اطوار کے بارے میں لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں تو لوگوں کا منہ بند کرنے، ان پر اپنی عظمت و حشمت کا رُعب جمانے اور اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیے نہایت ٹھاٹھ باٹھ سے اپنی امارت کا مظاہرہ کرتا ہُوا نکلا۔ قرآن مجید میں اِس واقعہ کا یُوں ذکر آیا ہے:

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ (القصص: ۷۹)

"ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے اپنے پُورے ٹھاٹھ میں نکلا۔ جو لوگ حیاتِ دُنیا کے طالب تھے وہ اُسے دیکھ کر کہنے لگے "کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارُون کو دیا گیا ہے، یہ تو بڑا نصیبے والا ہے۔"

بیوقوفوں کا اظہارِ رشک

دنیا میں ایسے بیوقوفوں کی کبھی کمی نہیں رہی ہے جو ۵۶ کروڑ کی چوتھائی ہی کی خواہش و طلب رکھتے ہیں۔ اب اگر قارُون کی دولت دیکھ کر ان لوگوں کے منہ میں پانی بھر آیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جب شرفِ انسانی کا مدار دولت و معیارِ زندگی ہو جائے تو کون بیوقوف ہے جو اس کے لیے جان نہ چھڑکے۔

قارُونی جلوس جب نمائشِ امارت کرتا ہوا نکلا تو جو لوگ اِس دُنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے بے اختیار پُکار اُٹھے، "کاش ہمارے بھی نصیب ایسے ہی ہوتے، نصیب تو اسے کہتے ہیں جو قارُون کے حصے میں آیا ہے"۔ ایک طرف قارُون کی شان و شوکت کا یہ عالم، دوسری طرف اُن کی بے بضاعتی، اپنی حرماں نصیبی پر کفِ افسوس ملنے لگے۔ خیر یہ سگانِ دُنیا تو جو کچھ بھی کہتے وہ کم ہی تھا، کتنے ہی ایمان والے ہوں گے جن کے ایمان ڈانواں ڈول ہو گئے ہوں گے۔ ایک طرف قوم و مسلک سے غدّاری کا یہ نقدا نقد معاوضہ، دوسری طرف ایمان و حق پرستی کا یہ صلہ کہ حکومت کے بھی زیرِ عتاب اور تنگدستی و افلاس کے بھی شکار۔ کتنے لوگ ہوں گے جو ضمیر فروشی اختیار کرنے پر مُستعدی سے سوچنے لگے ہوں گے اور کتنے ہی لوگ ہوں گے جو ہدایت کے قریب آتے آتے ٹھٹک گئے ہوں گے ؛ حضرت موسٰی علیہ السّلام نے جب اپنی تحریک کا یوں خون ہوتے دیکھا ہو گا تو اُن کے دل پر کیا کچھ نہ گزر گئی ہو گی۔ بغاوت و سرکشی پر انگیخت کرنے والے ان ہی حالات کو دیکھ کر بے اختیار بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھا دیے اور اپنے مولا سے یوں فریاد کی۔

بددُعائے موسٰیؑ

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ
زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ
سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى

قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ٥

(یونس : ۸۸)

"موسیٰؑ نے دعا کی " اے ہمارے رب، تُو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دُنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے۔ اے رب، کیا یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں ہمارے رب، ان کے مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔"

ایک طویل اور جاں گُسل جدوجہد کے بعد، اللہ کے نبی کی یہ درد بھری فریاد تھی۔ یہ اُس ہی صدا کی بازگشت تھی جو اُن سے ہزاروں سال پہلے اُن کے ایک قافلہ سالار حضرت نوح علیہ السّلام نے کچھ ایسے ہی حالات میں بُلند کی تھی کہ:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ٥

(نوح : ۲۶)

"اے میرے مولا، اِس زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ چھوڑ۔"

قبولیتِ دُعا

چنانچہ بارگاہِ الٰہی سے قبولیتِ دعا کی بشارت ملی اور جواب ملا:

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ (یونس : ۸۹)

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا " تم دونوں کی دُعا قبول کی گئی۔ ثابت قدم رہو اور اُن لوگوں کے طریقے کی ہرگز پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔"

حق تعالیٰ نے اپنے اِن برگزیدہ بندوں کو پہلے تو بشارت دی کہ تمھاری دعا قبول کر لی گئی ہے اور وہی ہو گا جو تم چاہتے ہو۔ پھر انھیں بتایا کہ یہ راہ بڑی ہی صبر آزما ہے، جاہل لوگ اہلِ حق کی پے در پے ناکامیاں دیکھ کر ہمّت ہار جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید ناکامیاں ہی ہمارا مقدر ہیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ اقتدارِ

باطل سے مفاہمت اور مصالحت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اپنے ضمیروں، اپنے جسموں اور دماغوں کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ نادانوں اور جاہلوں کی اِس روش سے بچتے رہنے کی تنبیہ کی اور مردانہ وار راہِ حق پر قائم رہنے اور صبر کے ساتھ اللہ کی مشیّت کے کرشمے دیکھنے کی ہدایت کی۔

اب دیکھیے کہ یہ بشارت کس طرح روزِ روشن کی طرح اپنی صداقت منواتی ہے۔

قارون کی دولت و امارت کو دیکھ کر جہاں ایک خلق اس پر ریجھ گئی، وہیں ایسے بھی کچھ صادق الایمان تھے جو اِس بھلاوے اور فریب کی حقیقت پر نگاہ رکھتے تھے۔ جو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ فسق و فجور پر جب متاعِ دُنیا کی بارش ہو تو اس کی شامت کے دن قریب آ گئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنی قوم کے اُن کوتاہ نظروں اور ناپختہ ایمان والوں کو سمجھایا کہ :

اہلِ علم کی نصیحت

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ (القصص : ۸۰)

"مگر جو لوگ علم رکھنے والے تھے وہ کہنے لگے،" افسوس تمہارے حال پر، اللہ کا ثواب بہتر ہے اُس شخص کے لیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صبر کرنے والوں کو۔"

اِن واقفانِ حقیقت نے بڑی پتے کی بات کہی۔ فی الواقع ایمان کی بنیاد ہی یہ ہے کہ آدمی حاضر و موجود کو چھوڑ کر وعدۂ فردا پر یقین کرے۔ جب تک آدمی کی نیّت یہ ہے کہ جو کچھ میں کروں اس کا معاوضہ یہاں درشنی ہُنڈی کی طرح فوراً مل جائے، وہ اِس راہ پر قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ یہاں تو اِس حوصلہ کی ضرورت ہے کہ اگر عمرِ نوحؑ بھی مل جائے تو بھی یہی کام کیے جانا ہے اور اِس طویل عرصے میں اُسے

کچھ بھی ہاتھ نہ آئے تو کوئی افسوس نہیں کرنا۔ اگر یہ استقامت وعزیمت حاصل نہیں ہے تو چند قدم چلنے کے بعد ہی پاؤں پھسل جائیں گے۔ یہ حوصلہ، یہ ہمّت اور مستقل مزاجی ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو نہ صرف صبر کرتے ہیں بلکہ صبر کے عادی ہوتے ہیں۔ ہر لالچ، ہر دباؤ، ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، رضائے مولا کو حاصل کرنے میں رُوکھی سُوکھی پر نہ صرف قناعت کرنا بلکہ اگر فاقے بھی کرنا پڑیں تو ہنسی خوشی برداشت کرنا، باطل کو خوش کرنے میں سونے کے ڈھیر بھی حاصل ہو رہے ہوں تو اُن پر لات مارنا، دراصل یہی صبر ہے۔ ایسے ہی صابروں کو دراصل ایمان بالآخرت اور جزائے اُخروی پر یقین حاصل ہوتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں اُلجھ کر جس نے حلال وحرام کی تمیز سے منہ موڑ لیا، رضاء وناراضیٔ مولا کے فرق کو اُٹھا دیا تو اس کے لیے تو یہ راہ ایک بوجھ ہی بوجھ ہے جس کو اُتارنے کے لیے وہ ہر وقت بے تاب رہے گا۔

قارُون نے اپنی دانست میں اس مظاہرۂ دولت کے ذریعہ اپنی عظمت و حشمت کا سکّہ بٹھانے کے لیے پورا پورا بندوبست کر لیا تھا لیکن مشیّتِ الٰہی کے نزدیک اب فیصلہ کا وقت آپہونچا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک حد تک ہی آزماتا ہے۔ جب فسق وفجور حد سے اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ لوگوں کے ایمان ڈگمگانے لگیں تو اللہ تعالیٰ سزا کا فیصلہ صادر فرما دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اب فیصلہ کر لیا کہ قارُون کو ایسی سزا دی جائے کہ رہتی دنیا تک لوگوں کو عبرت ہو۔ چنانچہ قارُون کو اس کی دولت اور اس کے مظاہرِ دولت یعنی محلات اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ ارشاد ہوا:

قارُون کا انجام

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ٥ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ

يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۖ لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝ (القصص : ۸۱-۸۲)

"آخر کار ہم نے اُسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر کوئی اس کے حامیوں کا گروہ نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کو آتا اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا۔ اب وہی لوگ جو کل اس کی منزلت کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے "افسوس، ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ افسوس ہم کو یاد نہ رہا کہ کافر فلاح نہیں پایا کرتے"۔

دعوت کی نئی تنظیم

موسیٰ علیہ السلام کی راہ کا ایک بڑا پتھر ہٹا۔ خدمتِ کفر کے لیے ضمیروں کی خریداری کا جو کاروبار کھلا ہوا تھا اس کی تجوریوں میں سے ایک بڑی تجوری کا منہ بند ہو گیا۔ اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دعوت کو پھیلانا اور کھلم کھلا کام کرنا آسان کام نہ تھا۔ فرعونیوں کا دوسرا دورِ تشدد اپنے پورے شباب پر تھا۔ چند نوجوانوں کے سوا اپنے ایمان کا اظہار کرنا کسی کے بس میں نہ رہا تھا پھر فرعون سے آخری اور فیصلہ کن معرکے کی گھڑی قریب آ رہی تھی اس لیے اس دعوت کو پوری طرح منظم کرنا نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نازک مرحلہ پر اللہ تعالیٰ نے چند نہایت اہم ہدایات نازل فرمائیں۔ ارشاد ہوا:

مراکزِ دعوت کا قیام

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس : ۸۷)

"اور ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی کو اشارہ کیا کہ "مصر میں چند مکان اپنی قوم کے لیے مہیا کرو اور اپنے ان مکانوں کو قبلہ ٹھیرا لو اور نماز قائم کرو اور اہلِ ایمان کو بشارت دے دو۔"

اس آیت کو بعض اہلِ علم نے بنی اسرائیل کی از سرِ نو شیرازہ بندی کی ہدایت سمجھا ہے۔ ان کے نزدیک چونکہ بنی اسرائیل میں نماز با جماعت کا نظام ختم ہو گیا تھا اس لیے ان کے چند منتخب اور مقرر کردہ گھروں کو مسجد کا قائمقام بنا دیا گیا۔

اس طرح دین کے بنیادی تقاضے "اقامت الصلوٰۃ" کو پورا کرنے کا بندوبست کیا گیا۔

بعض حضرات کے نزدیک اِس آیت میں اجازتِ رُخصت ہے کہ چونکہ جبر و تشدّد کے اِس دَور میں عبادت گاہوں میں اکٹھا ہونا ممکن نہ تھا اِس لیے بطور رُخصت چند مقررہ مکانوں میں اِس فریضے کو بجا لانے کی اجازت دی گئی۔

ممکن ہے یہ سب باتیں صحیح ہوں لیکن میری نظر میں دعوتِ اسلامی کے ایک اہم موڑ پر ایک نیا لائحۂ عمل تجویز کیا گیا اور کام کے انداز اور طریقوں کو ایک نئے قالب میں ڈھالنے کا حکم دیا گیا۔ یہ ایک ایسی اہم ہدایت ہے کہ جس پر چل کر سنگین سے سنگین اور خطرناک سے خطرناک دَور میں بھی دعوتِ دین کو چلایا اور منظم کیا جا سکتا ہے۔ کیسے ہی نامساعد حالات ہوں، کوئی طاقت اِس طریقۂ تنظیم کو توڑ نہیں سکتی۔

کیا دعوتی کام صرف علانیہ ہی کیا جا سکتا ہے؟

اصولاً یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ داعیٔ حق کو اپنی دعوت برملا پیش کرنا چاہیے، زیادہ سے زیادہ لوگوں تک بات پہونچانا چاہیے اور جتنے بھی ذرائع ابلاغ موجود ہوں ان سب کو کام میں لانا چاہیے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ حالات چاہے نرم ہوں چاہے سخت، موافق ہوں یا ناموافق، اس کو راہِ فرار اختیار کرنے کے بجائے مردانہ وار میدان میں ڈٹے رہنا چاہیے اور ہر قسم کے حالات کا پامردی سے مقابلہ کرنا چاہیے۔

تبلیغِ دعوت کے مختلف انداز

لیکن ایک داعی، ایک رہنما اور ایک لیڈر کا اپنا ذاتی کردار ایک بات ہے اور تحریک و دعوت کے لیے ذرائع اور تدابیر اختیار کرنا بالکل دوسری بات۔ جس داعی اور رہنما میں یہ حوصلہ نہ ہو کہ سخت سے سخت حالات میں بھی اپنی دعوت پیش کر سکے اور اِس کے لیے پتھر کھا سکے، کانٹوں پر چل سکے، اپنے اوپر غلاظتوں

کی بارش برداشت کر سکے، الزاموں اور دُشنام طرازیوں کے مقابلہ میں اپنے مخالفین کے لیے دعا ہی کرے، وہ اس کام کا ہی نہیں۔ اسی لیے بار بار مختلف انداز میں فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۳۵)

"پس صبر کرو جس طرح دوسرے اُولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔"

لیکن داعی کا یہ کام نہیں ہے کہ اگر سامنے پہاڑ آجائیں اور تمام راستے مسدود ہوجائیں تو وہ وہیں پہاڑ سے سر ٹکرا ٹکرا کر اپنے آپ کو ختم کرلے۔ اس کی دعوت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ جب پہاڑ سامنے آجائے اور وہ اس کو عبور نہ کر سکے تو اس میں سرنگ لگا کر اُس میں سے اپنے لیے راستہ پیدا کرلے اور ان مشکلات کو پار کرے۔ چنانچہ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ٥ (الشعراء: ۲۱۴)

"اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔"

چنانچہ اس ہدایت ہی کی تعمیل میں آپؐ تین سال تک نہایت خاموشی سے اپنے قریبی عزیزوں اور دوستوں کو دعوت دیتے رہے۔ کبھی آپ کھانے کی نشستوں میں ذکر چھیڑتے تھے تو کبھی بے تکلف دوستوں کی محفل میں۔ چنانچہ اس دور میں آپ کی دعوت جن اصحاب تک پہونچی وہ کون تھے؟ آپ کے نہایت معتمد اور رازدار رفیق مثلاً، حضرت خدیجہؓ، آپؐ کی رفیقۂ حیات۔ حضرت زیدؓ، آپؐ کے خادمِ خاص۔ حضرت ابوبکرؓ، آپؐ کے سفر و حضر کے ساتھی۔ حضرت علیؓ، آپؐ کے پروردہ اور بھائی۔ جب حالات کچھ تیار ہوگئے تو آپؐ کو حکم ملا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر: ۹۴)

"واشگاف کردے جس کا تجھے حکم دیا جا رہا ہے۔"

پھر صرف یہ ہی نہیں، اس دعوت کا چرچا عام ہوگیا اور عرب کا کونہ کونہ آپؐ کی دعوت سے کسی نہ کسی حد تک متعارف ہوگیا اور ساتھ ہی ساتھ مخالفت

بھی اتنی شدید ہوگئی کہ مکے کی سنگلاخ زمین میں میخ ٹھونکنا ممکن نہ رہا تو آپؐ نے مدینہ میں اپنے ساتھی تلاش کیے۔ یہ کام آپؐ نے کس طرح انجام دیا؟ کیا جلسۂ عام منعقد کرکے اپنے مُستقر کی تبدیلی کا اعلان کیا یا دھوم دھڑکے سے جلوس بنا کر اپنے وفود بھیجے؟ نہیں، بلکہ دو سال تک نہایت رازداری سے مدینہ سے گنے چُنے معتمد افراد آئے اور بیعتِ عقبہ اولیٰ و ثانیہ منعقد ہوئی اور اس رازداری کے ساتھ کہ مکّہ والوں کو جو اہلِ ایمان کو بالکل فرعونیوں کی طرح سُونگھتے پھرتے تھے، کانوں کان خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ رات کے اندھیرے میں مدینہ ہجرت فرما گئے اور وہ دروازے پر کھڑے پہرہ ہی دیتے رہے۔

اس لیے مَیں سمجھتا ہوں کہ مندرجہ بالا آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دعوت کے منظم کرنے کے لیے حکم دیا گیا کہ اب جبکہ کھُلّم کھُلا کام کرنا ممکن نہیں رہا ہے مختلف مراکزِ تنظیم قائم کرو۔ اور چونکہ نظمِ اسلامی میں سرِ فہرست اقامت الصلوٰۃ ہے اس لیے نظامِ نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا، بقیہ اُمور آپ ہی آپ اُس میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اب چونکہ مصر میں فرعونیوں کے نئے دَورِ ستم و تشدد کی وجہ سے دعوت کا پھیلنا ناممکن ہو گیا تھا اور نئے مُستقر کی طرف ہجرت کرنے کا زمانہ قریب آ گیا تھا اِس لیے ایک طرف قریہ قریہ میں ایسے مراکز قائم کر دیے گئے تاکہ وابستگانِ دعوت کو منظم اور مربُوط رکھا جا سکے اور ہدایات پہونچنے میں تاخیر نہ ہو تو دوسری طرف پیغام رسانی کا نہایت خفیہ اور برق رفتار انتظام کیا گیا تاکہ رُفقاءِ کار فرعون کے پنجۂ ظلم و ستم میں پھنسے نہ رہ جائیں۔ یہ اُس ہی برق رفتار پیغام رسانی کا نتیجہ تھا کہ جب ہجرت کا حکم دیا گیا تو راتوں رات لاکھوں آدمی مجتمع ہو کر پُورے مصر سے نکل گئے، اور فرعون اپنے سارے نظامِ جاسوسی کے باوجود قبل از وقت آگاہ نہ ہو سکا۔

موسیٰ علیہ السّلام کی فرعون کو آخری تنبیہ

اب موسیٰ علیہ السّلام کو صاف نظر آرہا تھا کہ اس ملک میں دعوتِ اسلامی کا پھلنا پھولنا ممکن نہیں ہے۔ ایک طرف فرعون نے اپنی پوری قوم کو قوم پرستی کی شراب پلا کر قومی جنون میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ ہر بات کو خواہ وہ کتنی ہی حق کیوں نہ ہو محض اس لیے رَدّ کر دینے پر تُل گئی تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی جانب سے پیش کی جاتی تھی۔ دوسری طرف فرعون نے جبر و تشدّد کا وہ چکر چلایا تھا کہ بڑے بڑے بہادروں کے پِتّے پانی ہونے لگے تھے۔ قبطی قوم تو پہلے ہی قوم پرستی کے نشہ میں مدہوش کر دی گئی تھی بچی کھچی سعید رُوحیں تھیں وہ بھی لرزہ براندام تھیں اور اعلانِ ایمان کی ہمّت نہ کر سکتی تھیں۔ خود بنی اسرائیل میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو موسیٰ علیہ السّلام کا کھُلّم کھُلّا ساتھ دینے کا حوصلہ نہ رکھتی تھی۔ تمام انبیاء کرام کی طرح اب حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بھی بصیرتِ نبوّت کی روشنی میں صاف نظر آرہا تھا کہ اب ہجرت کا حکم ہُوا ہی چاہتا ہے۔ آپؑ نے فیصلہ کیا کہ ہجرت سے پہلے ایک مرتبہ پھر حجّت تمام کر دی جائے۔ چنانچہ آپؑ ایک دن فرعون کے دربار تشریف لے گئے اور اُسے سمجھایا:

وَاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۝ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۝ (الدخان: ۱۹ تا ۲۱)

"اور اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔ مَیں تمہارے سامنے (اپنی ماموریت کی) صریح سند پیش کرتا ہوں۔ اور مَیں اپنے رب اور تمہارے

رب کی پناہ لے چکا ہوں اِس سے کہ تم مجھ پر حملہ آور ہو۔ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھ پر ہاتھ ڈالنے سے باز رہو۔"

یعنی تم جو میری مخالفت پر کمربستہ ہو تو اچھی طرح سمجھ لو کہ میں اپنے نبی ہونے کی صریح نشانیاں دکھا چکا ہوں۔ اتنی طویل مدت میں تم میری حقانیت کا اچھی طرح مشاہدہ کر چکے ہو۔ اب اس کے بعد بھی اگر تم سرکشی کرتے ہو تو دراصل یہ سرکشی میرے مقابلے میں نہیں خود خدا کے مقابلے میں ہے کیونکہ میں اُس ہی کا نمائندہ ہوں اور جو بات پیش کرتا ہوں، اس ہی کی وحی اور ہدایت کے مطابق کرتا ہوں۔

اور تم نے جو میرے قتل کا فیصلہ کیا ہے تو میں تمھیں خبردار کیے دیتا ہوں کہ یہ حماقت نہ کرنا۔ مجھے تو میرے رب کی طرف سے پہلے ہی تمھارے سارے فتنوں کے مقابلہ میں پناہ مل چکی ہے، تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے، البتہ اِس اقدام سے تمہاری شامت فوراً ہی آجائے گی اور تم اُس ہی انجام سے دوچار ہو گے جس سے تم سے پہلی قومیں دوچار ہو چکی ہیں۔

حسبِ سابق، موسٰی علیہ السّلام کا یہ انتباہ بھی صدا بصحرا ثابت ہوا۔ گو اُس وقت ہیبتِ حق کی وجہ سے اُن کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ اُن پر ہاتھ ڈال سکیں لیکن اپنی حرکتوں سے وہ باز نہ آئے۔

ہجرت

موسیٰ علیہ السّلام کی دربارِ الٰہی میں فریاد

جب موسیٰ علیہ السّلام کو یہ یقین ہو گیا کہ اِس قوم میں اب کوئی خیر باقی نہیں رہ گئی ہے اور وہ اپنی خباثت پر پوری طرح تُلی ہوئی ہے تو دربارِ الٰہی میں عرض کیا :

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝ (الدخان : ۲۲)

"آخرکار اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ لوگ مجرم ہیں۔"

ہجرت کا حکم

دربارِ الٰہی سے جواب ملا :

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ (الدخان : ۲۳)

"اچھا تو راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑ۔ تم لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا۔"

اب فرعون و موسیٰ علیہ السّلام کے درمیان کش مکش اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور فرعونی اقتدار کی دار و گیر بھی اپنے شباب پر تھی۔ مومنین کے لیے اب اپنا ایمان سلامت رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اب اُن کے سامنے دو ہی راستے تھے، تختۂ دار یا ایمان سے دستبرداری۔ اب اُن کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی نہ امن۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی شفقت و رحمت کبھی یہ گوارا نہیں کرتی ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ان کی قوتِ برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالے۔ چنانچہ سُنّتِ الٰہی کے مطابق موسیٰ علیہ السّلام کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا۔ اس حکم اور اس کی تفصیلات

کو قرآن مجید میں کئی مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا:

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ۝

(الشعراء: ۵۲)

"اور ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ، بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔"

دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ (طٰہٰ: ۷۷)

"اور ہم نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو لے کر رات کو چپکے سے نکل جا۔"

اِس حکم سے اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پورے طور پر سامنے آتی ہے۔ حق و باطل کی کشمکش میں جب کہ حق بے زور و تنہا ہو اور باطل برسرِ اقتدار ہو اور پوری طرح مسلح، تو اللہ تعالیٰ کی یہ تو مرضی ضرور ہوتی ہے کہ اہلِ حق اٹھیں اور اقتدارِ باطل کو چیلنج کریں اور دعوتِ حق کو بلند کریں۔ باطل کی دار و گیر، جبر و قہر اور تشدد سے ڈر کر اپنے مشن، اپنے مقصد اور اپنے نصب العین سے دستبردار نہ ہوں لیکن اُس کی مرضی یہ نہیں معلوم ہوتی کہ اہلِ حق اندھوں بہروں کی طرح اٹھیں اور دیوار سے سر ٹکرا کر پھوڑ لیں۔ بلکہ ایک حکیم و دانا آدمی کی طرح یہ دیکھیں کہ اِس دیوارِ باطل میں انگلی دھنسانے کی جگہ کہاں ملتی ہے اور اہلِ حق کے نفوذ کے لیے کہاں سے راستہ ملتا ہے؟ اب اگر اُس وقت اِس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، تو بجائے اِس کے کہ وہ اِس دیوار سے ہی سر ٹکرا ٹکرا کر اپنا خاتمہ کر لیں، وہ اللہ کی زمین پر ایسے دوسرے نرم گوشے تلاش کریں جہاں حالات نسبتاً زیادہ مساعد نظر آتے ہوں۔ چنانچہ جب بھی اور جہاں کہیں بھی دعوتِ حق کے بار آور ہونے کے امکانات ختم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہجرت کے لیے حکم فرما دیتا ہے۔

مومنین کو فرعونی دستبرد سے بچانے، دعوتِ حق سے نئے خطوں کو

رُوشناس کرانے اور فرعونی اقتدار پر آخری ضرب لگانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حکم دیا کہ اب اِس شامت زدہ سرزمین سے باہر نکل جائیں اور اپنے ساتھ مومنین کو بھی لیتے جائیں۔

لیکن دیکھیے یہ نہیں فرمایا کہ "دن دہاڑے نکل کر جاؤ" بلکہ ارشاد ہُوا "راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ"۔ یعنی مقصود صرف نکلنا ہی نہیں تھا بلکہ اہلِ حق کو بچا کر لے جانا بھی تھا۔ اِس لیے حزم و احتیاط کی راہیں بھی سجھا دیں اور ضمناً یہ بھی بتا دیا کہ اہلِ ایمان کی قیادت بے عقل، بے سمجھ اور اناڑیوں کے ہاتھوں میں نہیں ہونا چاہیے بلکہ حد درجہ حکیم، عقلمند اور نشیب و فراز سے واقف لوگوں کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے جو اِس قافلہ کو بہ سلامتی منزلِ مقصود تک پہونچا دیں۔ جب کام کا ایک راستہ بند ہو جائے تو دوسرا راستہ اختیار کر لیں، جب کام ایک خاص نہج پر انجام نہ دیا جا سکے تو دوسرے ڈھنگ تلاش کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر مزید عنایت یہ کی کہ انھیں آئندہ پیش آنے والے خطرات سے بھی آگاہ کر دیا کہ اِس دیارِ فرعون سے تم یوں ہی آرام آرام سے نہ نکل جاؤ گے، یہ تمہارا پیچھا بھی کریں گے اور تمھیں مٹانے کے لیے آخر وقت تک اپنی کوششیں جاری رکھیں گے۔

موسیٰ علیہ السّلام کی احتیاطی تدابیر

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے وحیِ الٰہی کی روشنی میں ہر ممکن احتیاط اختیار کی۔ اپنے مراکزِ تنظیم (Cells) کو جو پہلے سے قائم کیے جا چکے تھے پوری طرح کام میں لائے۔ پیغام رسانی کا ایسا خفیہ اور تیز رفتار انتظام کر رکھا تھا کہ ایک اشارے میں پورے ملک سے پوری قوم سمٹ کر آ گئی اور رات کے اندھیرے میں، چپ چاپ سفر پر روانہ ہو گئے اور فرعون اپنے سارے انتظامات کے باوجود منہ تکتا ہی رہ گیا۔

لیکن اِن ساری احتیاطوں کے باوجود فرعون کے کانوں میں اِس خروج کی

بھنک پڑ ہی گئی کیونکہ ایک ملک سے لاکھوں آدمیوں کا بہ یک وقت نکلنا کب تک مخفی رہ سکتا تھا۔

کجا ماند نہاں رازے کزو سازند محفلہا

فرعون کی خفیہ پولس اور اس کے ہم قوم، دربار میں رسائی کے امیدوار جی حضوریے، آخر کس کام آتے۔ فوراً اطلاع دی کہ حضور شکار نکلا جاتا ہے، کچھ بندوبست فرمائیں۔ فرعون کب چوکنے والا تھا، فوراً ہی ساری سرکاری مشینری حرکت میں آگئی اور

فرعونی انتظامات

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝ (الشعراء: ۵۳ تا ۵۶)

"اس پر فرعون نے (فوجیں جمع کرنے کے لیے) شہروں میں نقیب بھیج دیے (اور کہلا بھیجا) کہ "یہ مٹھی بھر لوگ ہیں، اور انھوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکنا رہنا ہے۔"

فرعون اس نئی ابھرتی ہوئی دعوت کو دبانے اور مٹانے کے لیے کتنے ہی حربے آزما چکا تھا، اس دعوت کے عظیم رہنما کے قتل کرانے کا فیصلہ کر چکا تھا اور معلوم نہیں بقیہ لوگوں کو "ٹھکانے لگانے" کے لیے کتنے منصوبے سوچ رہا ہوگا کہ اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے ہجرت کرنے کی اطلاع ملی، تلملا ہی گیا ہوگا کہ اب یہ جسارت، کہ ہمارے حیطۂ اقتدار سے ہی نکل جانا چاہتے ہیں۔ اور بات صرف اتنی ہی نہ تھی، ایک مطلق العنان حکمراں جتنا ظالم و جابر اور دبدبے اور طنطنے والا ہوتا ہے اتنا ہی بزدل و کم ظرف بھی ہوتا ہے۔ سو طرح کے اندیشے دل میں آتے ہوں گے۔ سوچا ہوگا کہ اس مٹھی بھر جماعت کو میں اپنی ہی

سلطنت میں اپنے تمام جاہ وحشم اور قوت وحکومت کے باوجود نہ دبا سکا تو پتا نہیں باہر جاکر کیا غضب ڈھائے گی؟ چنانچہ فوجیں اکٹھی کرنے کے لیے اُس نے جو اعلامیہ جاری کیا اس کے الفاظ "ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکنے رہنا ہے" اس کے اندیشوں کی پوری طرح غمازی کرتے ہیں۔ اِس ہی اعلامیہ سے فرعون کی سیرۃ کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کم ازکم دَورِ حاضر کے حکمرانوں سے زیادہ حقیقت پسند اور صاف گو تھا۔ اُس نے صاف صاف اعتراف کیا کہ اِس گروہ نے سرکارِ دولت مدار کو ناراض کر دیا ہے اِس لیے وہ درپئے آزار ہے۔ یہ موجودہ دَور کے منافق تو کسی کو قتل بھی کرتے ہیں تو ازراہِ نوازش اور خوش ہو کر اور لکھتے ہیں ''Ispleased'' اُس کا غصّہ موت کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا تو اِن کی خوشی پروانۂ موت لے کر آتی ہے۔ اسی سے آپ اِن کے اخلاق و کردار کا پتہ لگا سکتے ہیں۔

فرعون نے یہ سوچ کر کہ اب اِس 'خطرہ' سے نمٹنے کا آخری موقع ہے، اپنے سارے ذرائع و وسائل اکٹھے کیے تاکہ اِس 'قلیل گروہ' کا صفایا کر دے۔ آپ ذرا ہیبتِ حق ملاحظہ فرمائیں کہ خود مانتا ہے کہ "یہ مٹھی بھر لوگ ہیں" اور ان سے مقابلے کے لیے پورے ملک سے اعیان و امراء کو طلب کیا جاتا ہے اور فوجیں اکٹھی کی جاتی ہیں۔ یہی وہ ہیبتِ حق ہے جو ہر زمانے میں اعداءِ دین پر چھائی رہی ہے۔ ہر زمانہ میں چند مومنین کا مختصر گروہ ہمیشہ 'خطرہ' ہی سمجھا جاتا رہا ہے اور اُن سے مقابلہ کے لیے فوجوں کے دَل بادَل اکٹھے کیے گئے ہیں۔ اور یہی وہ ہیبتِ حق ہے جو اکثر اِن موذیوں کو اہلِ حق کے ستانے سے باز رکھتی ہے۔ فرعون نے اپنی دانست میں حضرت موسٰی علیہ السّلام اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے ٹھکانے لگانے کے لیے پورا بندوبست کر لیا تھا، لیکن اگر دنیا کے سارے معاملات محض قوت و طاقت ہی کے بل پر طے پانے لگیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی زمین پر ایک بھی کمزور جاندار باقی نہ رہے۔ فرعون اپنی

نظر میں جسے شاہ تدبیر سمجھ رہا تھا، مشیتِ الٰہی اُسے کچھ اور ہی مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتی تھی۔ یہ اجتماعِ افواج جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے مٹانے کے لیے کیا گیا تھا، خود فرعونی اقتدار کا جنازہ نکالنے والا بن کر رہا۔ کتنا سچ فرمایا اُس علیم و خبیر نے :

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۝

(الشعراء : ٥٧ تا ٥٩)

"اس طرح ہم انھیں ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے۔ یہ تو ہوا اُن کے ساتھ اور (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے اُن سب چیزوں کا وارث بنا دیا۔"

ایک ظاہر بین کی نظر میں، جو کہ صرف مادّی وسائل ہی کو دیکھ سکتا ہے، ملک بھر سے فوجوں کا اکٹھا ہونا، شہزادوں اور سپہ سالاروں کا جمع ہونا، اور تمام ذرائع و وسائل کو روبہ کار لانا یہی معنی رکھتا تھا کہ فریقِ مخالف یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی، جو کہ نہتے اور قطعی بے وسیلہ تھے، ہلاکت یقینی تھی۔ وہ یہی کچھ سوچ سکتا تھا کہ بس اب اس جماعت کا وجود چند لمحوں کا مہمان ہے، اب اس کے پسنے اور کچلنے میں کچھ دیر نہ لگے گی۔

لیکن آپ اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھیے کہ اس طرح اُس نے ملک کے گوشہ گوشہ سے اُن تمام اشرار کو اکٹھا کر لیا جن میں سے ہر شخص اپنی جگہ ایک 'فرعون' تھا۔ اگر اُن میں سے کوئی ایک بھی باقی رہتا تو شاید فرعون تو ختم ہو جاتا لیکن فرعونیت کے باقی رہنے کے امکانات تھے۔ اُن سب کو اُن کے عشرت کدوں اور عیش گاہوں سے نکال کر اُنھیں اُس راہ پر ڈال دیا جہاں اُن کی شامت اُن کا انتظار کر رہی تھی۔ اور وہ سب آخر وقت تک اِس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ بس اب پکڑا اور اب مارا۔ وہ اِس خیال میں مگن تھے کہ اب اِس "خطرہ" کو ہمیشہ کے لیے ختم کر ڈالیں گے۔

تعاقبِ موسیٰؑ

چنانچہ

فَاَتۡبَعُوۡهُمۡ مُّشۡرِقِيۡنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الۡجَمۡعٰنِ
قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰٓى اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ ۝ (الشعراء: ۶۰-۶۱)

"صبح ہوتے ہی یہ لوگ اُن کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہُوا تو موسیٰؑ کے ساتھی چیخ اُٹھے کہ "ہم تو پکڑے گئے"۔"

علمبردارانِ حق کی یہ جماعت جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور اُن کے ساتھیوں پر مشتمل تھی بڑے نازک حالات سے دوچار تھی۔ اُس کی بے لبسی قابلِ دید تھی کہ پیچھے فرعون کا لشکرِ جرّار جو ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس، ہر طرح کے ہتھیاروں سے مسلّح اور تمام ذرائع و وسائل پر قابض، بالکل سر پر آگیا تھا اور سامنے ایک بحرِ ذخّار جس کی ہر موج ہزاروں انسانوں کو نگلنے کے لیے تیار۔ پار کرنے کے لیے نہ کشتی نہ جہاز۔ ایک طرف چمکتی اور کوندتی ہوئی تلواریں تو دوسری طرف اجتماعی غرقابی، عجب کس مپرسی کا عالم تھا کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ اُس وقت بڑے بڑے بہادروں کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ موت سے آنکھیں چار کرنے کا دعویٰ کرنا اور موت سے مقابلہ کرنے کی ڈینگیں مارنا آسان ہے، لیکن جب موت سر پہ آجائے اور آنکھوں سے نظر آنے لگے تو اُس وقت ثابت قدم رہنا ہر ایک کے بس کا نہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھی جو برسوں سے مصیبتیں جھیل رہے تھے، جب اِس صورتِ حال سے دوچار ہوئے تو چیخ پڑے اور کہنے لگے:

بنی اسرائیل کی آہ و زاری

اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ "ہم تو پکڑے گئے"

اس وقت انھوں نے جو بھی واویلا کیا ہو وہ کم ہے۔ یہ تو اُن ہی آزمائشوں پر پیچ پڑے تھے جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر ایمان لانے والوں پر دار و گیر شروع کی تھی۔ انھوں نے تو اُس ہی وقت کہا تھا:

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ط (الاعراف: ۱۲۹)

"اے موسیٰؑ، تیرے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے اور اب تیرے آنے پر بھی ستائے جا رہے ہیں"

اب تو موت سر پر کھیل رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو جو بھی طعنے دیے گئے ہوں وہ کم تھے۔ ایسے نازک وقت میں پیغمبرانہ عزیمت اور استقلال سامنے آتا ہے اور خدائی وعدوں کی حقانیت پر کامل یقین کا وہ مظاہرہ کرتا ہے کہ رہتی دنیا تک مومنین صالحین کو صبر، استقامت اور توکل علی اللہ کا درس دیتا رہے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اِس نازک وقت میں نہ گھبرائے، نہ چیخے چلّائے اور نہ لمحہ بھر کے لیے مایوس ہی ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدوں پر کامل یقین کا وہ بھرپور مظاہرہ کیا جو مومنین صالحین کے دلوں کو تا قیامت گرماتا رہے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی پیغمبرانہ عزیمت

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ (الشعراء: ۶۲)

"موسیٰؑ نے کہا، "ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا"

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی اِس زمین پر انبیاء علیہم السّلام سے زیادہ ثابت قدم اور استقامت دکھانے والا کون ہو سکتا ہے؟ اگر ایک آدمی اپنے سامنے انبیاء علیہم السّلام کی سیرت رکھے تو زندگی کے کٹھن لمحات میں کبھی بھی مایوسی کا

شکار نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ حسبِ وعدہ نصرتِ الٰہی، جسے پیغمبرانہ بصیرت دیکھ رہی تھی، سامنے آئی اور اس شان سے آئی کہ ایک طرف وہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے لیے وجۂ نجات بنی تو دوسری طرف فرعون اور اُس کے لشکروں کے لیے باعثِ تباہی و بربادی۔ ارشاد ہوا:

وحیِ خداوندی کی رہنمائی

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ (الشعراء: ۶۳)

"ہم نے موسیٰؑ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ "مار اپنا عصا سمندر پر"، یکایک سمندر پھٹ گیا اور اُس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ سمندر کے کنارے کھڑے اس نصرتِ الٰہی کے منتظر تھے جس نے پیدائش سے لے کر اب تک ہر ہر قدم پر اُن کی دستگیری کی تھی۔ سوچ رہے ہوں گے کہ دیکھیے اب پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ اچانک اُن پر وحی نازل ہوئی کہ پانی پر اپنا عصا مارو، دیکھو ابھی راستہ بنتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے حسبُ الحکم پانی پر عصا مارا اور دیکھتے ہی سمندر کا پانی پھٹ گیا اور دونوں سمتوں میں سمٹ کر بیچ میں راستہ چھوڑ دیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کا قافلہ اُس میں سے بہ سلامتی گزر جائے۔

لیکن ابھی تو رحمتِ باری جوش پر تھی، اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا۔ قافلہ گزرنے کے لیے اتنا ہی کافی نہ تھا کہ سمندر کے بیچ میں راستہ بن جائے، پانی ہٹنے کے بعد بھی تو تہہ میں نمی رہتی اور ممکن تھا کہ دلدل بن جاتی اور گزرنے والے اس میں پھنس کر رہ جاتے۔ اس لیے مزید عنایت یہ کی کہ نہ صرف راستہ بنایا بلکہ اُس کو خشک بھی کر دیا۔ ارشاد ہوا:

شقّ البحر

وَلَقَدۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰۤى اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِىۡ فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيۡقًا فِى الۡبَحۡرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخۡشٰى ‏ (طٰہٰ : ۷۷)

"ہم نے موسیٰؑ پر وحی کی کہ اب راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑ، اور ان کے لیے سمندر میں سے سوکھی سڑک بنا لے تجھے کسی کے تعاقب کا ذرا خوف نہ ہو اور نہ (سمندر کے بیچ سے گزرتے ہوئے) ڈر لگے۔"

پھر اتنا ہی نہیں کیا کہ خشک راستہ بنا دیا بلکہ یہ تسلی بھی دی کہ ڈرو نہیں، نہ تو فرعون تمھیں پکڑ سکے گا نہ ہی دریا کا پانی اس وقت تک واپس آئے گا جب تک تم سب لوگ پار نہ ہو جاؤ۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بشارت بھی سُنا دی کہ تمھارا دشمن نہ صرف یہ کہ تمھیں پکڑ نہ سکے گا بلکہ یہیں غرق بھی ہو کر رہے گا۔ ارشاد ہُوا:

وَاتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا ؕ اِنَّهُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡنَ‏

(الدخان : ۲۴)

"سمندر کو اس کے حال پر کُھلا چھوڑ دے۔ یہ سارا لشکر غرق ہونے والا ہے۔"

وہی سمندر جو ایک لمحے پہلے ہزاروں انسانوں کو نگلنے کے لیے تیار بیٹھا تھا، اب موسیٰ علیہ السّلام اور اُن کے ساتھیوں کے لیے خشک راستہ بن جاتا ہے اور انھیں بہ سلامتی و حفاظت پار اُتار دیتا ہے۔

لیکن اللہ کی قدرت کاملہ کو اتنا ہی منظور نہ تھا کہ بس مومنین کی اس جماعت کو بچا لے، اُسے تو ابھی یہ بھی دکھانا تھا کہ جو جبر و استکبار، دعوت الی اللہ کے مقابلہ پر اٹھتا ہے اس کا انجام کیسا عبرت ناک ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی قوت و شوکت کے نشہ میں آکر دعوتِ حق کے درپئے آزار ہوتے ہیں وہ ذلیل و خوار

ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے اقتدار کے زعم میں اِس دعوت کو مٹانے پر تُل جاتے ہیں وہ خود کس طرح ملیامیٹ ہو جاتے ہیں۔

فرعون کا سمندر میں داخلہ

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ سمندر میں راستہ بن گیا ہے اور موسیٰؑ اور اصحابِ موسیٰ علیہ السلام اس کو پار کر کے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں تو فرطِ غضب سے وہ بالکل اندھا ہو گیا۔ حق کی اِس صریح نشانی کو دیکھ کر بھی اُس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اگر اُس کے پاس کچھ بھی عقل و خرد ہوتی تو ایسی واضح نشانی دیکھ کر سو بار سوچتا اور اپنی حماقت سے باز آجاتا۔ لیکن یہ واقعہ ہے اور تاریخ نے اسے بار بار سچ کر دکھایا ہے کہ باطل کے علمبردار اور حق کے مخالفین ہمیشہ ہی جوشِ انتقام میں اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔ بڑی سے بڑی نشانی بھی اُن کی آنکھیں نہیں کھولتی ہے۔ اُن کا ہر قدم اُن کی تباہی و بربادی ہی کی جانب اُٹھتا ہے۔ کتنا سچ فرمایا حق تعالیٰ نے کہ:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج: ۴۶)

"صحیح بات یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ اُن کے وہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں۔"

چنانچہ فرعون نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ، اُس راستہ پر کود پڑا جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نجات اور اُس کی ہلاکت کے لیے تیار کیا تھا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کا یوں ذکر کیا ہے:

فرعون کی غرقابی

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝

(الشعراء: ۶۴ تا ۶۶)

"اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے۔ موسیٰؑ اور اُن سب لوگوں کو جو اُس کے ساتھ تھے ہم نے بچالیا اور دوسروں کو غرق کردیا۔"

ذرا تدبیر الٰہی کی حکمت تو دیکھیے کہ فرعون کی کیسی مت ماردی۔ آگے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قافلہ تھا اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر، اُس وقت بنی اسرائیل پر جو کچھ بیت رہی ہوگی اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اِدھر فرعون سمجھ رہا تھا کہ اب میدان مار لیا۔ اُسے کیا خبر تھی کہ اُس کی اور اُس کے سارے لشکروں کی موت سر پر منڈلا رہی ہے۔ جسے وہ کامیابی کی سرحد سمجھ رہا تھا وہی اُس کے خاتمہ بالشر کی تمہید تھی۔ جب اُس کی ساری فوجیں بیچ سمندر میں پہونچ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام کا قافلہ پار اُتر چکا تھا۔ بس اب کیا تھا، تدبیر الٰہی نے اپنا کام کیا، سمندر کے دونوں کنارے پھر مل گئے اور فرعونی اقتدار کا جنازہ نکل گیا۔

دوسری جگہ اُس کی اِس حماقت آمیز قیادت کا انجام یوں بتایا:

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ (طٰہٰ: ۷۸-۷۹)

"پیچھے سے فرعون اپنے لشکر لے کر پہونچا اور پھر سمندر اُن پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا تھا، کوئی صحیح راہ نمائی نہیں کی تھی۔"

کوتاہ اندیش، متکبر اور انتقام میں ڈوبی ہوئی قیادت کا یہی انجام ہونا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے آپ ڈوبتی ہے بلکہ اپنے ساتھ اپنے سارے کنبے قبیلے اور حواریوں کو بھی لے بیٹھتی ہے۔

فرعون کا اعلانِ ایمان

دوسرے مقامات پر اس غرقابی کی مزید تفصیلات ملتی ہیں۔ فرمایا:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿یونس: ۹۰﴾

"اور ہم بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار لے گئے۔ پھر فرعون اور اس کا لشکر ظلم اور زیادتی کی غرض سے ان کے پیچھے چلے ۔۔۔ حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا "میں نے مان لیا کہ خداوند حقیقی اس کے سوا کوئی نہیں ہے جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی سر اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں۔"

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ معجزانہ طور پر سمندر شق ہو گیا اور راستہ بن گیا ہے، اس وقت بھی موقع تھا کہ حقیقت کو سمجھ لیتا اور اپنے ظلم و عدوان سے باز آ کر اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کر لیتا۔ لیکن جب دماغ میں خدائی کا خبط سمایا ہو، آنکھوں میں اقتدار کا نشہ ہو اور دل میں انتقام کا غیظ و غضب جوش مار رہا ہو تو اس وقت عقل کہاں کام دیتی ہے؟ ایک ہی ڈبکی لگی ہو گی کہ ہوش ٹھکانے آ گئے۔ موت سامنے دیکھی تو اپنی خدائی کی حقیقت نظر آئی۔ نہایت بے بسی کے عالم میں، جب ہر وزیر و مشیر، لشکر و سپاہ کی مدد سے قطعاً مایوسی ہو گئی تو پکارا، "اے خدا میں ایمان لایا۔" لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، اب تو وقت نکل گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اتنے طویل عرصے تک اس سے سر مارتے رہے، دلیلوں پر دلیلیں دیں، نشانیوں پر نشانیاں دکھائیں لیکن تیری ضد، تیرے ظلم و طغیان میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، اس ہی وقت شرافت سے مان گیا ہوتا۔ لیکن لاتوں کے بھوت باتوں سے کہاں مانتے ہیں! جب فرشتۂ اجل نے گلا آ دبوچا تو سمجھ میں آیا لیکن اب کیا فائدہ تھا؟ بارگاہ الٰہی سے اس کا اقرار اس کے منہ پر دے مارا گیا اور جواب ملا:

آلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ط وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ (یونس: ۹۱-۹۲)

"(جواب دیا گیا) "اب ایمان لاتا ہے! حالانکہ اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتا رہا اور فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنے اگرچہ بہت سے انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔"

فرعون کی یہ لاش آج تک مصر کے عجائب خانے میں موجود ہے اور ہر دیکھنے والے کے لیے درسِ عبرت ہے۔ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ:

من نہ کردم شما حذر بکنید

میں نے خدا سے بغاوت کی اور اس کا انجام دیکھ لیا۔ اگر تم اس انجام سے بچنا چاہتے ہو تو یہ راہ اختیار نہ کرنا ورنہ یہی حشر ہوگا۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو اس کے اس انجام سے کوئی سبق لیتے ہیں؟ آثارِ قدیمہ کے طور پر اشتیاق سے اس کی لاش دیکھتے ہیں۔ اس کے انجام کو پڑھتے ہیں اور پھر آنکھیں بند کر کے اُس ہی راستہ پر چل پڑتے ہیں اور بالآخر اُس ہی انجام کو پہنچتے ہیں۔

اس عظیم الشان واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنا احسانِ عظیم بتایا ہے اور سارے قصّے کو سمیٹ کر ایک جملہ میں یوں بیان فرمایا:

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

(البقرہ: ۵۰)

"یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے سمندر پھاڑ کر تمھارے لیے
راستہ بنایا، پھر اُس میں سے تمھیں بخیر یت گزروا دیا، پھر وہیں
تمھاری آنکھوں کے سامنے فرعونیوں کو غرقاب کیا۔"

فرعون کا عبرتناک انجام

اور

اُس پر خدائی تبصرہ

فرعون اِس عبرت ناک انجام کو کیوں پہنچا اور اس کے کیا اسباب تھے؟ اِن سب پر اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر مختلف اسالیب و انداز میں تبصرہ فرمایا ہے اور آئندہ اسے جو کچھ پیش آنا ہے اس کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے —

ارشاد ہوا:

استکبار کا نتیجہ — دُنیا و آخرت میں لعنت

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۔ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۔ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۔ (القصص: ۳۹ تا ۴۲)

"اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور سمجھے کہ انھیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے۔ آخرکار

ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو پکڑا اور سمندروں میں پھینک دیا۔
اب دیکھ لو کہ اِن ظالموں کا انجام کیسا ہُوا۔ ہم نے انھیں جہنّم کی طرف
دعوت دینے والے پیش رو بنا دیا اور قیامت کے روز وہ کہیں سے
کوئی مدد نہ پا سکیں گے۔ ہم نے اِس دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگادی
اور قیامت کے دن وہ بڑی قباحت میں مبتلا ہوں گے۔"

حقیقی بڑائی اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ کسی مخلوق کا نہ یہ حق ہے اور نہ اُس کو زیب دیتا ہے کہ خالقِ برتر کے مقابلہ میں اپنی بڑائی کا دعویٰ کرے اور اپنی بے چون وچرا اطاعت کا مطالبہ کرے، اِس زمین کو اپنی جاگیر سمجھ کر جو چاہے کرتا پھرے اور سمجھے کہ مجھے کسی کے سامنے کوئی جواب نہیں دینا ہے۔

فرعون اور ساتھیوں نے یہی روش اختیار کی اور دیکھ لو کہ ان کا انجام کیا ہُوا؟ اور ابھی تو یہ انجام کا آغاز ہی ہے، آگے اُن کا جو حشر ہوگا اِس سے بھی بُرا ہے۔ اپنی کجروی سے اُنھوں نے آئندہ آنے والوں کے لیے مثال قائم کی کہ حق کی مخالفت اِن طریقوں اور ہتھکنڈوں سے کی جاتی ہے اور اس مخالفتِ حق میں اس حد تک گزرا جا سکتا ہے۔ وہ صرف اپنے کیے ہی کی سزا نہ پائیں گے بلکہ اُن تمام بدکرداروں کے فسق کی بھی سزا پائیں گے جو اُن کی پیروی میں ظلم وطغیان پر اُتر آتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ نہ صرف جہنّم میں جھونکے جائیں گے بلکہ مجرموں کے سرداروں کی حیثیت سے سخت ترین سزا کے مستوجب ہوں گے۔ انھیں اس وقت پتہ چلے گا کہ ان کے سارے لشکر اور ساتھی بے حقیقت تھے اور ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اُن کی اس بدکرداری اور سرکشی کی ایک سزا تو اس دنیا میں ہی یہ مل گئی کہ قیامت تک ان پر لعنت برستی رہے گی اور قیامت کے دن وہ ہیبت ناک سزا ملے گی کہ چہرے بگڑ جائیں گے، مردودوں اور مقہوروں میں جگہ پائیں گے اور وہ سزا پائیں گے کہ العیاذ باللہ۔

قیامت کے دن فرعون کی جو گت بنے گی اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

دوزخیوں کا پیشوا ہوگا

یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝ (ھود: ۹۸-۹۹)

"قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انھیں دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ کیسی بدتر جائے ورود ہے یہ جس پر کوئی پہونچے! اور ان لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پڑے گی۔ کیسا بُرا صلہ ہے یہ جو کسی کو ملے!"

کاش وہ لوگ جو آج دنیا میں فرعون بنے ہوئے ہیں، ائمہ ضلالت بنے ہوئے ہیں، اپنے پیش رَو کے اِس انجام سے کوئی سبق لیتے اور اپنے رویّے کو درست کر لیتے۔ یہ دُنیاوی ٹھاٹھ باٹھ جو انھیں دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں، کتنے دن کے ؟ یہ سب شان و شوکت یہیں نکل جائے گی اور آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ الگ ہے۔ یہ ساری اکڑ فوں کس لیے ہے کہ دنیا میں ان کی بڑائی کا ڈنکا بجے، لیکن انجام کیا ہوگا ؟ اِس دنیا میں بھی پھٹکار اور آخرت میں بھی پھٹکار۔

پھر یہ بھی دیکھ لیں کہ اِس دنیا کو بنانے کے لیے فرعون نے یہ سارے پاپڑ بیلے لیکن یہ دنیا بھی ہاتھ نہ آئی۔

دنیا بھی ہاتھ سے گنوائی

کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ کَانُوْا فِیْهَا فٰکِهِیْنَ ۝ کَذٰلِکَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۝ فَمَا بَکَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا کَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ۝ وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ کَانَ

عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ٥ (الدخان: ۲۵ تا ۳۱)

"کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت اور شاندار محل تھے جو وہ چھوڑ گئے۔ کتنے ہی عیش کے سر و سامان، جن میں وہ مزے کر رہے تھے اُن کے پیچھے دھرے رہ گئے۔ یہ ہوا اُن کا انجام، اور ہم نے دوسروں کو اِن چیزوں کا وارث بنا دیا۔ پھر نہ آسمان اُن پر رویا نہ زمین، اور ذرا سی مہلت بھی ان کو نہ دی گئی۔ اِس طرح بنی اسرائیل کو ہم نے سخت ذلت کے عذاب، فرعون سے نجات دی جو حد سے گزر جانے والوں میں فی الواقع بڑے اوّل درجہ کا آدمی تھا۔"

اِن لوگوں کی ساری مخالفت اِس ہی لیے تو تھی کہ انھیں اندیشہ تھا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام اور اُن کی دعوت کی کامیابی کی وجہ سے اُن کا اقتدار ختم ہو جائیگا، اُن کے عشرت کدوں کی رونقیں ختم ہو جائیں گی، اُن کے خدائی ٹھاٹھ باٹھ اور اللہ کے بندوں پر ان کی خود ساختہ خدائی معدوم ہو جائے گی۔ ان مفادات کو بچانے کے لیے انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، دعوتِ حق کو ٹھکرایا اور اللہ کے نبی تک کو جھٹلایا یہ جانتے ہوئے کہ وہ حق پر ہے۔ لیکن ہوا کیا؟ جب اللہ کی پکڑ آئی تو نہ تو کوئی بچا اور نہ ہی انھیں تلافی مافات یا توبہ کے لیے کوئی مزید مہلت ملی، بلکہ اپنی توقعات، آرزوؤں، تمناؤں اور تدبیروں کے برعکس ان سب چیزوں کو چھوڑنا پڑا۔ نہ صرف چھوڑنا پڑا بلکہ ذلت کا عذاب ان پر مسلّط ہو کر رہا۔ پھر اُن پر تباہی و بربادی پر نہ کوئی آنکھ روئی، نہ کسی نے آہ بلند کی، نہ کسی نے مرثیہ کہا نہ نوحہ کیا بلکہ رہتی دنیا تک ان کے نام پر لعنت ہی پڑتی رہے گی۔ اپنی طاقت کے زعم میں وہ جن لوگوں کو دبانا اور مٹانا چاہتا تھا، اللہ تعالٰی نے نہ صرف اُن کو بچایا بلکہ اُس سے بدرجہا بہتر انعامات سے نوازا۔

اللہ کی سُنّت

اور

مومنین کے لیے بشارت

جب بھی کوئی قوم اجتماعی طور پر اللہ کے رسولوں کی دعوت کو ٹھکراتی ہے، کھلی کھلی نشانیاں دیکھنے کے باوجود اس کو جھٹلانے پر تُل جاتی ہے، تنبیہوں اور سرزنشوں کے باوجود، توبہ و اصلاح کے بجائے بغاوت و سرکشی پر کمربستہ ہو جاتی ہے اور اپنی طاقت کے زعم میں اہلِ حق پر جو بظاہر کمزور اور قلیل ہوتے ہیں، ظلم و ستم پر آمادہ ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ملیامیٹ کر دیتا ہے اور اُن ہی زیردست حق پرستوں کو کامیاب و بامُراد کرتا ہے۔ اس ہی حقیقت کو حسبِ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے:

فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۝ (المومنون : ۴۸)

"پس انھوں نے دونوں (موسیٰؑ و ہارونؑ) کو جھٹلا دیا اور ہلاک ہونے والوں میں جا ملے۔"

حق کی دعوت کو جو بھی جھٹلائے گا، رگڑ دیا جائے گا۔ کچھ عرصے کے لیے انھیں جو ڈھیل ملتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی ہمارا پکڑنے والا نہیں۔ اکڑتے دندناتے پھرتے ہیں اور چیلنج دیتے ہیں کہ لاؤ، وہ خدا کہاں ہے جس نے تمھیں بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن انھیں جلد ہی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ خدا ہے اور اُن

کے سروں پر مسلّط ہے۔

وَكُذِّبَ مُوسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (الحج: ۴۴)

"اور موسیٰؑ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں۔ اِن سب منکرینِ حق کو پہلے میں نے مہلت دی، پھر پکڑ لیا۔ اب دیکھ لو کہ میری عقوبت کیسی تھی۔"

اِس مہلت نے اُن کو دھوکے میں ڈال دیا اور اُسے خدائے تعالیٰ کی کمزوری پر محمول کیا۔ لیکن جب اُن کی میعاد پوری ہو گئی تو انھیں ایسی سزا ملی کہ اُن کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہا۔

جبّاروں کو غرق کر دیا جائے گا

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۙ (بنی اسرائیل: ۱۰۳)

"آخر کار فرعون نے ارادہ کیا کہ موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو زمین سے اکھاڑ پھینکے، مگر ہم نے اُس کو اور اُس کے ساتھیوں کو اکٹھا غرق کر دیا۔"

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۙ

(الزخرف: ۵۵-۵۶)

"آخر کار جب انھوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور اُن کو اکٹھا غرق کر دیا اور بعد والوں کے لیے پیش رو اور نمونۂ عبرت بنا کر رکھ دیا۔"

اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں، ظالموں کو جب ذرا ڈھیل ملتی ہے، اور اتمامِ حجّت کے لیے جب انھیں ذرا مہلت ملتی ہے، تو سمجھتے ہیں کہ ہم سے بالاتر کوئی طاقت نہیں، کوئی نہیں جو اُن کا ہاتھ روکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرح نہ تو بے صبرا ہے نہ جلد باز، نہ انتقام لینے پر اُدھار کھائے ہوئے ہے،

ظالموں کو اُس وقت تک مہلت دیتا رہتا ہے جب تک ان کا پیمانۂ فسق وفجور لبریز نہ ہو جائے۔ جب اُن میں کوئی خیر باقی نہیں رہتا تو ایسا پکڑتا ہے کہ دیکھنے والے اور سُننے والے کان پکڑیں۔ داستانِ فرعون کے اِس پہلو کو یوں عیاں فرمایا:

متکبّروں کے لیے ملامت ہی ملامت ہے۔

وَفِیْ مُوْسٰۤی اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ۝

(الذّاریات: ۳۸ تا ۴۰)

"اور (تمھارے لیے نشانی ہے) موسیٰؑ کے قصّے میں۔ جب ہم نے اُسے صریح سند کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو وہ اپنے بل بوتے پر اکڑ گیا اور بولا "یہ جادوگر ہے یا مجنون ہے"۔ آخرکار ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو پکڑا اور سب کو سمندر میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ ہو کر رہ گیا۔"

فرعونی کردار کو چند مختصر جملوں میں سمیٹ کر اس کے عبرت ناک انجام کو بتلاتے ہوئے تمام آنے والے فرعونوں کو پیشگی متنبّہ کر دیا کہ اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ تمھارا بھی وہی حشر ہوگا۔

خدا کے نافرمانوں کی سخت پکڑ

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰى ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى ۝

(النّٰزعات: ۲۱ تا ۲۶)

"اُس نے جھٹلایا اور سرکشی کی۔ پھر لوٹا اور چالیں چلنے لگا۔ لوگوں

کو اکٹھا کیا اور پکارا، کہا مَیں ہی تمہارا ربِ اعلیٰ ہوں۔ پس اللہ نے اُس کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں پکڑا۔ اس میں عبرت ہے ہر اُس شخص کے لیے جو ڈرا۔"

یہاں لوگوں کو بتایا کہ دیکھو گھمنڈ، غرور، ضد اور ہٹ دھرمی کا کیا نتیجہ ہوا۔ فرعون اپنی ساری قوت اور ہوشیاری کے باوجود خدا کی پکڑ سے نہ بچ سکا۔ لیکن اِس واقعہ سے کون سبق لے سکتا ہے، وہی شخص جو واقعاتِ عالم کو آنکھیں کھول کر دیکھتا اور اس انجام سے ڈرتا ہے۔ جو یہ یقین رکھتا ہے کہ خداوندِ قدوس کے سامنے جانا ہے اور ہر کام کا جواب دینا ہے۔ اس کی نافرمانی کی سزا سے نہ یہاں بچ سکے گا نہ آخرت میں۔ جس دل میں جواب دہی کا یہ احساس اور جزا و سزا کا یہ ڈر ہوگا وہی راہِ راست اختیار کر سکتا ہے۔

اہلِ مکہ کو فرعون کا انجام بتاتے ہوئے، اور ان کے واسطے سے تمام عالم کو متنبہ کیا کہ رسولؐ اللہ کی دعوت کی مخالفت سے باز آجاؤ ورنہ تمھارا بھی وہی حشر ہو گا جو اِس سے پہلے فرعون کا ہو چکا ہے۔

رسولوں کے نافرمانوں کو چھوڑا نہیں جائے گا

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَٰهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۝ (المزمل: ۱۵-۱۶)

"ہم نے تمہاری طرف رسولؐ کو اُسی طرح شاہد بنا کر بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف ہم نے رسول کو بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے رسول کی نافرمانی کی، پس ہم نے اس کو سخت طریقے سے پکڑا۔"

فرعون نے ہمارے نبیؑ کی دعوت کو جھٹلایا اور اپنی طاقت کے زعم میں ایمان لانے والوں کو کچلنا چاہا تو ہم نے اِس سرکشی کا انتقام لیا اور اُس ہی قوم سے اُس کا سر کچلوایا جو بظاہر بڑی کمزور، مظلوم اور بے وسیلہ تھی۔ اور صرف اتنا ہی

نہیں کیا بلکہ اُس ہی گری پڑی قوم کو مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا۔

مظلوموں کو وراثت ارضی کی بشارت

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۝ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ۝

(الاعراف: ۱۳۶-۱۳۷)

"تب ہم نے اُن سے انتقام لیا اور انھیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور اُن سے بے پروا ہو گئے تھے۔ اور اُن کی جگہ ہم نے اُن لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا۔ اِس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدۂ خیر پورا ہوا کیونکہ انھوں نے صبر سے کام لیا تھا اور فرعون اور اُس کی قوم کا سب کچھ برباد کر دیا گیا جو وہ بناتے اور چڑھاتے تھے۔"

اِس آیت کے ذریعے اُن تمام حق پرستوں کو بشارت دی گئی ہے جو کمزور و مظلوم ہیں اور اُن تمام جابروں کو تنبیہ (Warning) کی گئی ہے جو اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اِن مظلوموں پر ہر قسم کے مظالم روا رکھتے ہیں۔

مظلوموں کو بشارت دی گئی کہ اُن کا صبر رائیگاں نہ جائے گا اور وہ اُسی طرح کامیاب ہوں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کامیاب ہوئی تھی اور ظالموں اور جابروں کا اُسی طرح خاتمہ کیا جائے گا جس طرح فرعون اور اس کی قوم کا۔

پھر اُن تمام لوگوں کو جو اللہ کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں، اس کی دعوت کو رد کرتے ہیں اور اللہ کے مقابلہ میں سرکشی، بغاوت اور تکبر کی روش اختیار کرتے ہیں، دو ٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ تم سے پہلے کسی سرپھرغرور کو بغیر رگڑے نہیں چھوڑا ہے تو تم کیسے بچ جاؤ گے؟ ہر متکبر کو عبرت ناک سزا ملی ہے اور یہ سزا کسی ظلم کی بناء پر نہیں بلکہ اُس بدکرداری کی بناء پر ملی جس میں وہ مبتلا تھے۔

مغروروں کا عبرتناک انجام

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت: ٣٩-٤٠)

"اور قارون و فرعون و ہامان کو ہم نے ہلاک کیا۔ موسیٰؑ ان کے پاس بیّنات لے کر آیا مگر انھوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم کیا حالانکہ وہ سبقت لے جانے والے نہ تھے۔ آخر کار ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ میں پکڑا، پھر اُن میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی، اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا، اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کسی کو غرق کر دیا۔ اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔"

پھر مومنین کو تسلی دی کہ ظلم کی رسّی دراز ہوتے دیکھ کر نہ ہمتیں ہار دیں، نہ مایوس ہوں اور نہ ظلم و جبر اور فسق و فجور کے سامنے سر جھکائیں۔ ہر ظالم کے لیے اللہ تعالیٰ کوڑا لیے بیٹھا ہے۔ جس وقت اُن کی مہلتِ عمل ختم ہو گئی تو خدائی عذاب کے

کوڑے سے بچ کر نہ جا سکیں گے۔

سرکشوں پر خدائی عذاب کا کوڑا

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ (الفجر: ۹ تا ۱۴)

"اور ثمود جنھوں نے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنائے، اور فرعون میخوں والا، ان سب نے ملکوں میں سرکشی اختیار کی اور ان کو فساد سے بھر دیا۔ پھر ان پر تیرے رب کے عذاب کا کوڑا برسا، بے شک تیرا رب ان کی گھات میں ہے۔"

اور دنیا بھر کے اور ہر زمانے کے مومنین کو یہ بشارت سنائی:

مومنین کے لیے غلبہ و نصرت

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(الصّٰفّٰت: ۱۱۴ تا ۱۲۲)

"اور ہم نے موسیٰؑ و ہارونؑ پر احسان کیا، اُن کو اور اُن کی قوم کو کربِ عظیم سے نجات دی، اُنھیں نصرت بخشی جس کی وجہ سے وہی غالب رہے، اُن کو نہایت واضح کتاب عطا کی، انھیں راہِ راست دکھائی، اور بعد کی نسلوں میں ان کا ذکرِ خیر باقی رکھا۔ سلام ہے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر۔

ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، درحقیقت وہ ہمارے
مومن بندوں میں سے تھے۔"

یعنی جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے جابر و قاہر حکمران پر فتح مبین عطا کی، ان دو بے سہارا اور کمزور بھائیوں کو اس کے جبر و ستم سے نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اِن ہی کے ہاتھوں اُس کے تخت و تاج کو اُلٹ کر رکھ دیا، اِسی طرح ہر زمانے میں ہم مومنین کی نہ صرف حفاظت کریں گے بلکہ اُن کو واضح غلبہ بھی عطا کریں گے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں، ہم نے اُن کے دشمنوں کو نہ صرف ملیامیٹ کیا بلکہ رہتی دنیا کے لیے ان کو لعنت کا نشان بنا دیا۔ اِس کے بالمقابل اِن دونوں بھائیوں کو نہ صرف کامیاب و کامراں کیا بلکہ رہتی دنیا تک اِن کا ذکرِ خیر چھوڑا۔ جب کبھی اور جہاں کہیں ان کا نام لیا جائے گا اِن پر سلامتی ہی بھیجی جائے گی۔

یہ مقامِ بلند ان کو کیوں عطا کیا گیا؟ اِس لیے کہ وہ نیکی کے علمبردار تھے، حق کے پرستار تھے، اللہ کے فرماں بردار اور مومن بندے تھے۔ جو حکم انھیں رب تعالیٰ کی طرف سے ملا اُس کو ہر حال میں بجالائے خواہ اُس میں جان کو خطرہ لاحق ہوا یا مال کو۔ راہِ حق میں کوئی مصیبت اور کوئی آزمائش ان کے قدموں کو نہ ڈگمگا سکی اور نہ اِس راہ سے ہٹا سکی اور ہر حال میں ان کی شانِ مومنیت برقرار رہی۔ یہ احسان و سلوک جو اِن مومن بندوں کے ساتھ کیا گیا وہ آج بھی اُن تمام لوگوں سے کیا جائے گا جو اپنے آپ کو مومن ثابت کر دیں گے۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اور پھر ان دو علمبرداروں پر ہی نزولِ رحمت نہیں ہوئی بلکہ اُن تمام لوگوں پر رحمتِ عام چھائی رہی جنھوں نے ان کی پیروی کی۔ ارشاد ہوا:

ہدایت وپیشوائی

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (السجدہ ۲۴)

"اور جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو اُن کے اندر ہم نے ایسے پیشوا پیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے"

یعنی جب انھوں نے ہمارے احکام کی پیروی کی، ہمارے وعدوں پر یقین کرکے ہر خطرے کو انگیز کیا، ہماری راہ میں جو مصیبت آئی اُسے برداشت کیا اور اِس راہ میں مطلوب صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا تو ہم نے نہ صرف انھیں نجات دی، نہ صرف انھیں کامیاب و بامراد کیا بلکہ اِس سے بڑھ کر اُنھیں دنیا کا امام بنا دیا۔ اب جو قوم دنیا میں امام بننا چاہتی ہے وہ اِس راستے اور اِس طریقے کو اختیار کرے وہ امام بن کر رہے گی۔

واقعۂ فرعون و کلیمؑ

ایک عظیم نشانی

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ○ (الشعراء: ۶۷-۶۸)

"اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، مگر ان لوگوں میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی"

یہاں اللہ تعالیٰ نے داستانِ فرعون و کلیمؑ کے ذکر کرنے کی خود ہی غرض و غایت بیان فرمائی کہ یہ قصہ محض کسی تاریخی واقعہ کو بیان کرنے کے لیے نہیں سُنایا گیا ہے۔ اِس میں مومنوں اور کافروں، دونوں کے لیے زبردست اخلاقی سبق ہے اور دونوں کے لیے عظیم درسِ عبرت و نصیحت ہے اور ایک روشن تاریخی حقیقت ہے۔ وہ نشانی، وہ درسِ حقیقت اور عبرت و نصیحت یہ ہے کہ حق اور باطل کی کش مکش کوئی نئی بات نہیں۔ یہ کش مکش ہمیشہ سے ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ دعوتِ حق ہمیشہ غیر مانوس اور اجنبی بلکہ مخالفانہ فضا میں پرورش پاتی ہے۔ اس کے ماننے والوں پر بدترین قسم کے مظالم ڈھائے گئے ہیں۔ اس کے ماننے والے ہمیشہ سے کمزور و ناتواں نظر آئے ہیں اور اربابِ اقتدار کی نظروں میں مقہور و مغضوب رہے ہیں۔

اِس کے مخالفین اکثر وہ لوگ رہے ہیں جو اللہ کی نعمتوں سے مالا مال رہے ہیں، جن پر روپے پیسے کی، دولت و عزت کی، جاہ و حشمت کی، قوت و طاقت کی بارش ہوتی رہی ہے۔ اس ہی کے گھمنڈ و غرور میں مبتلا ہو کر انھوں نے ہمیشہ دعوتِ حق کی مخالفت کی ہے، اسکی تحقیر و تضحیک کی ہے، اس کو دبانے اور مٹانے کی کوشش کی ہے اور جب اُن کے دبائے سے یہ دعوت نہ دبی تو یہ بدترین قسم کے ظلم و ستم پر اتر آئے ہیں۔ جتنی اِن کو نصیحت کی گئی، سمجھانے کی کوشش کی گئی، اتنی ہی ان کی آتشِ غیظ و غضب بھڑکتی گئی، یہاں تک کہ اُن لوگوں پر جو دینِ حق کے علمبردار ہوتے ہیں، زندگی حرام کر دی گئی اِن حالات میں اکثر لوگ اِس دعوت کی کامیابی سے مایوس ہونے لگتے ہیں۔ فضا میں ناکامی و مایوسی کی کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ جبر و تشدد اور وحشت و بربریت کا دَور دَورہ ہو جاتا ہے۔ وقتی طور پر مخالفینِ حق دندناتے نظر آتے ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اِس زمین پر کوئی اُن کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، وہ جو چاہیں کریں۔ اپنی کامیابی کے غرّہ میں وہ مگن ہوتے ہیں اور قوت و اقتدار کے نشے میں مدہوش ہو کر اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ کوئی واضح سے واضح دلیل اُن پر اثر انداز نہیں ہوتی اور اُن کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو رحمتِ حق جوش میں آجاتی ہے۔ ایک طرف مخالفینِ حق کو وہ سزا دی جاتی ہے کہ رہتی دنیا تک لوگ اُن کے انجام سے لرز اُٹھیں اور وہ خدائی وعید پوری ہو کر رہتی ہے کہ:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝ (البروج: ۱۲)

"بے شک تیرے رب کی پکڑ نہایت سخت ہے۔"

دوسری طرف مومنین سے جو وعدہ کیا ہے، ایفا ہوتا ہے کہ:

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۷۲)

"بے شک ہمارے ہی رسول کامیاب و بامراد ہوں گے۔"

اور ابداً لاباد تک اہلِ ایمان کو یہ مژدہ سناتی ہے کہ:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط (الزّمر: ۵۳)

"اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔"

معرکۂ

فرعون و کلیمؑ



اخلاق حسین

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)